نشأۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ

PNSC

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

فون نمبر ڈائرکٹ سسٹم
052317- 340
341
342

لہ دعوۃ الحق
قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد ۲۲
شمارہ ۷
شعبان ۱۴۰۷ھ
اپریل ۱۹۸۷ء

ماہنامہ
الحق
اکوڑہ خٹک

مدیر ——— سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک	بحری ڈاک چھ پونڈ
فی پرچہ	۴/- روپے	بیرون ملک	ہوائی ڈاک دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اقتدار کے سب سے بڑے ایوان سینٹ میں

شریعت بل کا مقدمہ

جسے

محرکِ شریعت بل مولانا سمیع الحق نے پیش کیا

شریعت بل پر سینٹ میں ایک عرصہ تک عام بحث جاری رہی ۵ ارفروری کی شام کو سینٹ میں شریعت بل کے محرک مولانا سمیع الحق نے بحث کی وائنڈ اپ کرتے ہوئے جوابی افتتامی تقریر شروع کی کہ آدھ گھنٹہ تقریر کے بعد اجلاس ملتوی ہوگیا اس کے بعد مورخہ ۵ ارمارچ کے اجلاس میں اپنی تقریر کو مکمل فرمایا جو دو گھنٹے جاری رہی۔ شریعت بل کی اہمیت اس کی نظریاتی و اساسی حیثیت تمام طبقوں کے حقوق کا تحفظ و جامعیت، اسکی فوری منظوری نفاذ کی ضرورت، ارباب اقتدار ارکان پارلیمنٹ اور دینی سیاست دانوں کو انتباہ و اتمام حجت قومی رہنماؤں اور عامۃ المسلمین کی ذمہ داری واحساس مسئولیت، ملت اسلامیہ کا واضح موقف اور جمہوری مطالبہ، حکومت کا منافقانہ اور شرمناک کردار اور قومی ضرورت و ملکی سلامتی کے دیگر کئی ایک اہم مباحث بھی اس میں آگئے ہیں۔ پارلیمنٹ میں مولانا سمیع الحق صاحب کی ڈھائی گھنٹوں کی یہ تاریخی تقریر نفاذ شریعت کی جدوجہد میں قافلہ ولی اللہی کے مساعی کا تسلسل اور برصغیر کی پارلیمانی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ افادہ عام کے پیش نظر سینٹ سیکرٹریٹ کی رپورٹ سے نقل کر کے نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ قال اللہ تعالیٰ

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

جناب چیئرمین صاحب! میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس اہم ترین بل پہ اظہار خیال کا موقع دیا۔ یہ ایک تاریخی بل ہے اور اس کی اہمیت اس بات سے واضح ہو رہی ہے کہ پچھلے تقریباً ڈیڑھ سال سے ایوان کے معزز اور فاضل ارکان اس کے حسن و قبح پر اس کی تردید و حمایت یا مخالفت میں اظہار خیال کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ کافی حد تک ارکان نے اس کی اہمیت اور نزاکت کو محسوس کیا۔ اور موضوع کا جو احترام تھا اس کو بھی ملحوظ رکھا۔ اگرچہ بعض حضرات جوش خطابت میں یا احساس کی کمی کی وجہ سے اس موضوع پر احتیاط کا وہ دامن نہ تھام سکے جو اس کا متقاضی تھا۔ یہ موضوع مذہبی اور ایمانی لحاظ سے نہ صرف دنیوی لحاظ سے بلکہ اخروی لحاظ سے بھی بہت دور رس نتائج کا حامل ہے۔ اور اس کے اثرات دنیا میں بھی مرتب ہوں گے اور عالم آخرت میں بھی۔ ایسے حساس موضوع پر احتیاط کا دامن چھوٹنا بہت خطرے کی بات ہے۔ اس ملک کے ایک عظیم خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے بارے میں سنا ہے کہ انہیں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں سیرت کے ایک جلسے میں تقریر کے لئے بلایا گیا تھا۔ تو انہوں نے تقریر کے آغاز میں کہا۔ کہ میں ہر موضوع پر تقریریں کرتا رہتا ہوں اور کی ہیں۔ لیکن آج کا موضوع میرے لئے انتہائی نازک اور مشکل موضوع ہے کیونکہ اس کا سیرت طیبہ سے تعلق ہے۔ اگر میں نے کسی سیاسی موضوع پر

ایک آدھ لفظ آگے پیچھے کر دیا۔ اور کوئی جملہ ایسا بھی منہ سے نکلا جو خلافِ قانون بھی تھا تو اس پر سال دو مہینہ کی سزا مجھے مل جائے گی۔ لیکن اگر شریعت اور سیرت مطہرہ کے موضوع پر ذرا بھی میں نے بے احتیاطی کی اور ایک حرف بھی آداب کے خلاف نکلا تو اس کی سزا جہنم اور خداوند تعالیٰ کی گرفت کی صورت میں مرتب ہوگی۔ اور یہ سزا عطاء اللہ شاہ بخاری برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

یہاں جہانگیر بادشاہ کی ایک بات یاد آئی ہے۔ اس کا اپنی بیوی کے ساتھ بے پناہ اور والہانہ تعلق تھا ان کی محبت کے قصے بہت مشہور ہیں۔ ایک دفعہ جہانگیر سے اس نے کوئی ایسی فرمائش یا خواہش ظاہر کی جو دینی اور ایمانی لحاظ سے قابلِ پذیرائی نہیں تھی تو جہانگیر نے اس سے کہا کہ ع

جاناں جاں بتو دادم لیکن ایماں بتو نہ دادم

کہ میری محبوبہ جان تو تمہیں دے چکا ہوں لیکن ایمان تمہیں نہیں دے چکا۔ تو یہ موضوع ایسا ہے کہ ایوان کے ہر ممبر کے جماعتی گروہی نفسانی اور ذاتی خیالات اور وابستگیوں سے بالاتر ہے۔ اس میں ایسے سخت مراحل بھی آسکتے ہیں کہ ہم اپنے مفادات، اپنی پالیسیوں، اپنے حکام اور بعض حکومت سے وابستہ ہیں، اور ان کی جماعت میں ہیں۔ ان سب سے صرفِ نظر کرکے ایمان، ضمیر اور حق کا ساتھ دینا ہوگا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا تعلق شریعت سے ہے اور یہ شریعت کیا ہے؟ افسوس آج اس اصطلاح کی بھی تعریفیں ڈھونڈی جا رہی ہیں اور اس کا مفہوم متعین کیا جا رہا ہے۔ شریعت قرآن اور سنّت کا اور احکامِ الٰہی کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ ایک بالکل واضح اصطلاح ہے جو چودہ سو سال سے متعارف اور غیر مبہم آرہی ہے اور سمجھی جارہی ہے۔ بعض اصطلاحات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تعریفات کو زیرِ بحث لانا خارج از موضوع ہوتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور قربانی یہ ایسے واضح اور قطعی اصطلاحات ہیں اور ان کے معنی واضح طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور قرآن نے متعین کئے ہیں آج اگر کوئی کہے کہ ایمان کی تعریف کیا ہے اور اس مناظرہ میں پڑ جائے کہ اس کے معنی اور تعریف کیا ہے تو لوگ کہیں گے کہ بھائی یہ تو چودہ سو سال سے بالکل واضح اور متعین چیز ہے۔ قرآن وسنت کے احکام، فرائض اور واجبات قرآن وسنت نے یہ سب متعین کئے ہیں۔ جو چودہ سو سال سے امت کے ہاں مسلّمہ چلے آرہے ہیں۔ اس کی تعبیر اللہ کی اصطلاح میں شریعت سے کی جاتی ہے۔ اور یہ اصطلاح اللہ نے مقرر کی ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا ذکر آیا ہے لکل جعلنا شرعۃ ومنہاجا۔ کہ اے رسولؐ صرف آپ کے لئے نہیں بلکہ تمام انبیاء سابقین کے لئے اور ان کے امتیوں کے لئے ہم نے ایک طریق کار اور زندگی گزارنے کے احکام اور قوانین اور ضوابط متعین کردئیے ہیں۔ احکام اور طریقہ کار بھی متعین ہیں۔ اور یہ سب انبیاء سابقین ان ضوابط اور احکام پر چلتے تھے۔ پھر فرمایا۔ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر۔ اے رسول! میں نے تمہیں بھی ایک واضح شریعت دی ہے اور تجھے اس کا پابند بنایا۔ فاتبعہا، پس اسی طریق احکام اور شریعت کی آپ نے پابندی کرنی ہے۔ پیروی کرنی

ہے۔ ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون اور جو لوگ شریعت کی حکمتیں، مصلحتیں اور حقیقتیں ان چیزوں کو نہیں سمجھتے یا خواہشات کی وجہ سے اس کو نظر انداز کرتے ہیں اور ان خواہشات کی پیروی کرنے والوں کی آپ ہرگز ساتھ نہ دیں۔ تو اس اہم ترین موضوع جس کا نام شریعت ہے اور قرآن میں اس کا جگہ جگہ ذکر آیا ہے۔ اس کے بارے میں اس ایوان نے اظہار خیال کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا تعلق پوری طرز حیات سے ہے مسلمان کی پوری طرز زندگی سے ہے۔

شریعت کی اہمیت: تو اس پر میں بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ ہم اس شریعت بل کے لئے جھگڑتے ہیں اور کیوں اتنی جدوجہد ہو رہی ہے اور اس کو کیوں اہم ترین مسئلہ بنایا گیا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ جب ہم برصغیر میں غلام ہوئے انگریز آیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا قدم جمایا تو اس نے رفتہ رفتہ شریعت کہ اس نظام کو اس طریقہ کار کو مسلمانوں سے چھین لینے کی کوشش کی۔ اس نے نہ صرف ہمیں غلام بنایا بلکہ اس نے انتہائی ظالمانہ کام یہ کیا۔ کہ ہماری عدالتوں سے وہ طریقہ کار جو صدیوں سے مسلمانوں کے ہاں چلا آرہا تھا جو قرآن وسنت اور اس پر مبنی احکام تھے ان تمام قوانین و ضوابط کو عدالتوں سے یکسر چھین لیا۔ اس نے تمام انتظامی شعبوں میں اپنا ایک نظام رائج کیا جس پر مسلمان تڑپ اٹھے اور جنگ آزادی کا آغاز ہوا۔ وہ آزادی کی جنگ کیوں لڑی گئی تھی۔ اس کے لئے ہمیں تاریخ میں پیچھے کی طرف دیکھنا ہوگا۔ سب سے پہلے یہاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے گھرانے سے ان حالات میں انقلابی اقدامات کئے گئے۔ اس وقت کے ہندوستان بھر کے سب سے بڑے عالم اور تمام مکاتیب فکر کے مقتدا اور محترم شخصیت شاہ عبدالعزیزؒ دہلویؒ نے ایک فتویٰ مرتب کیا۔ اور اس نے اس فتوے سے ثابت کیا کہ اب برصغیر دارالحرب بن چکا ہے اور دارالحرب کے دو وجوہات لکھے۔ ایک وجہ یہ لکھی کہ ہم پر ایک غیر مسلم عیسائی قوت قابض ہو چکی ہے۔ اس سامراجی نظام نے ہم کو غلام بنایا ہے اور کسی بدیسی حکومت کو ہم پر حکومت کرنے کا حق نہیں۔ دوسری بات انہوں نے اپنے فتوے میں یہ لکھی کہ اصل وجہ دارالحرب ہونے کی یہ ہے کہ عیسائیوں نے آکر ہماری عدالتوں سے قرآن وسنّت کے جو مستند احکام ہیں وہ سارا نظام ہم سے چھین لیا ہے۔ اور ہم پر اپنے انگریزی قوانین اور ضوابط نافذ کر رہے ہیں۔ اس لئے جب تک ہم عدالتوں میں اس نظام کو واپس نہ لاسکیں گے اور انگریز کو یہاں سے نہیں نکالیں گے تو یہ ہندوستان دارالحرب ہی رہے گا۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز کے گھرانے سے جہاد کا آغاز ہوا۔ یہ عملی جہاد دراصل شریعت اور اس کے نظام کو واپس لانے کے لئے شروع کیا تھا۔ اس کے لئے سب سے پہلے مسلح جہاد کی شکل میں جدوجہد آپ کے سامنے ہے۔

سید احمد شہیدؒ کا جہاد بھی نفاذ شریعت کے لئے تھا

آپ کی نظر تاریخ پر ہے۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اسی مقصد کے لئے ہندوستان سے ایک طویل سفر کیا۔ بڑی مصیبتوں اور مشقتوں سے دریاؤں اور گھاٹیوں کو عبور کیا۔ ڈیڑھ دو سال میں تمام مراحل طے کر کے برصغیر سے باہر افغانستان

تک پہنچے۔ پھر وہاں سے درہ بولان انہوں نے عبور کیا۔ درمیان میں سکھ حکومت تھی وہ براہ راست نہیں جا سکتے تھے۔ وہ بلوچستان سے ہوتے ہوئے سرحد پہنچے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی تاریخ میں ماؤزے تنگ کے لانگ مارچ سے بڑھ کر لانگ مارچ موجود ہے۔ اس شریعت بل اس شریعت کے لئے جس کے لئے آج ہم لڑ رہے ہیں۔ سب سے بڑی اور طویل لانگ مارچ جو ماؤزے تنگ کی لانگ مارچ سے بھی بڑی تھی۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے مجاہدین کی تھی جو دو ڈھائی سال کی محنت مشقت اور تکالیف کے بعد سرحد آئے۔ یہ سب کچھ انہوں نے کیوں کیا اس کا جواب سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی دستاویزات، مکاتیب اور برصغیر کے نوابوں، راجاؤں اور جاگیرداروں اور حکمرانوں کو جو خطوط انہوں نے بھیجے ہیں، سے واضح طور پر ملتا ہے۔ سید احمد شہیدؒ کے مکاتیب میں یہ بات موجود ہے کہ یہ طویل جنگ محنت اور مشقت اس لئے نہیں ہے کہ میں صرف سکھوں کی ایک ریاست پر قبضہ کر لوں۔ میرا اصل ٹارگٹ نصاریٰ ہیں۔ اور انگریز ہندوستان میں آ کر قدم جما رہا ہے۔ اور جما چکا ہے۔ اس نے ہماری عدالتوں میں، ہماری زندگی کے تمام شعبوں سے ہمارا نظام ختم کر دیا ہے۔ اور قرآن و سنّت کے اسلامی قوانین اس نے معطل کر دئے ہیں۔ میں ان احکام کی بالادستی کے لئے سکھوں سے لڑ کر اور ان پر فتح پا کر بالآخر نصاریٰ پر حملہ کروں گا۔ اور جہاد کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام جنگ انگریز کے خلاف نہیں تھی بلکہ انگریز کے قائم کردہ نظام کے خلاف تھی۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب یہ جنگ آزادی آخر کار فیصلہ کن مرحلہ پر پہنچی اور قیام پاکستان کا نعرہ بلند ہوا تو اس وقت یہ قربانیاں بھی انتہا کو پہنچ گئیں۔ اس وقت بھی نعرہ صرف انگریز کو نکال لینے کا نہیں تھا۔ اگر صرف انگریز کو ملک سے نکالنا مقصود ہوتا تو برصغیر کے مسلمان پاکستان کے لئے اتنی عظیم قربانیاں ہرگز نہ دیتے۔

قیام پاکستان کا نفاذ شریعت کے لئے تھا

وہ متحدہ برصغیر میں ایک سیکولر سٹیٹ میں رہ کر بھی سفید چمڑی والے انگریز سے آزادی حاصل کر چکے ہوتے اس کے لئے خون کی ندیوں سے گزرنے کی ضرورت نہ تھی۔ گھر بار اجاڑ کر پاکستان کے لئے انہوں نے ہجرت نہیں کرنا تھی۔ اس وقت یہ نعرہ لگایا گیا کہ پاکستان کا معنیٰ کیا لاالٰہ الا اللہ ہے۔ کہ قیام پاکستان کا مطلب انگریز کو نکالنا نہیں ہے۔ سیکولر سٹیٹ ہندوؤں کا ہو سکتا ہے۔ الغرض ہمارے سامنے دو مقاصد تھے کہ انگریز بھی نکل جائے اور انگریز کے اس لعنتی نظام سے بھی چھٹکارا حاصل ہو جائے جو سوڈیڑھ سو سال سے ہم پر مسلط کیا ہوا ہے۔ اس لئے قائدِ اعظم نے واضح طور پر اعلانات کئے۔ خطوط لکھے اور ریاست کو الگ کرنے کے لئے یہی ایک بنیاد تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ایک لادینی اور غیر مسلم نظام سے شاید ہمیں نجات نہ مل سکے۔ اس لئے مسلمان خود اپنی ایک ریاست بنا کر اس میں قرآن و سنت کی بالادستی قائم کریں گے ۱۹۴۴ء میں قائدِ اعظم نے مسٹر گاندھی کو ایک خط لکھا اور اس میں واضح طور پر کہا کہ ہمارے پاس چونکہ خود ایک ضابطہ

حیات موجود ہے ۔ اور کہا کہ قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ اور اس میں زندگی کے ہر شعبے کے لئے رہنمائی کہ سیاسی سماجی، قانونی، تمدنی اور اخلاقی تمام شعبوں کے لئے چونکہ قوانین موجود ہیں اس لئے ہمیں ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور سامراجی اور بدیسی نظام سے چھٹکارا پانے کے لئے لاکھوں مسلمانوں نے جان کی قربانی دی کروڑوں مسلمان دربدر ہوئے ۔ اور ملک چھوڑ کر ہندوستان کو خیرباد کہہ کر پاکستان آئے ۔ اور کتنی ہی ماؤں اور بہنوں کی عفتیں اور عصمتیں لٹ گئیں ۔ یہ تاریخ کا لازوال اور بے مثال اور عظیم کارنامہ ہے جس میں کسی مسلمان قوم نے چودہ سو سال تاریخ میں کسی نظریاتی مملکت کے قیام کے لئے یہ قربانی دی اور کہا کہ اس مملکت کا معنی لا الٰہ الا اللہ ہے ۔

جناب چیرمین صاحب ! یہ ساری جدوجہد اور جنگ اسی مقصد کے لئے تھی کہ جب ہم ایک آزاد ملک حاصل کریں گے تو ہم یہاں اسی طرز پر قرآن و سنت کی حکمرانی قائم کریں گے اور انہیں قوانین پر ہم فیصلے کر سکیں گے ۔ اور اسلام کے بہترین معتدل اور عادلانہ نظام زندگی پر چل کر مشکلات اور تکالیف سے چھٹکارا حاصل کریں گے

آزاد قوم کے لئے غلامانہ قوانین

اور وہ قوانین جو انگریز نے ایک غلام قوم کے لئے بنائے تھے ۔ مگر ہوا عجیب معاملہ کہ اتنی قربانیوں کے بعد انگریز تو چلا گیا لیکن جو قوانین ایک قید خانے ایک غلام قوم کے لئے انگریز نے اپنی ضرورتوں مصلحتوں اور سیاسی تقاضوں کے لئے بنائے تھے جس میں وہ ہمیں سختی سے جکڑ سکتا تھا ہمیں شکنجے میں جکڑ سکتا تھا ہمیں آپس میں لڑا سکتا تھا ۔ اور ہمیں ہر قسم کی آزادی اور حریت کے اقدامات سے باز رکھ سکتا تھا ۔ ان قوانین کو ہم نے ایک آزاد قوم ہوتے ہوئے بھی مضبوطی سے تھام لیا ۔ یہاں پاکستان میں اور دنیا کے ہر ملک میں قید خانے کے الگ قوانین ہوتے ہیں ۔ قیدی کو ہر حالت میں ان قوانین کو برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن جب قیدی آزاد ہو جاتا ہے تو باہر کے قوانین جو آزاد دنیا کے لئے ہوتے ہیں وہ سراسر اس قید خانے کے قوانین کے بالکل برعکس اور مختلف ہوتے ہیں ۔ ایسا تو نہیں ہوتا کہ قیدی باہر آکر بھی قیدیوں جیسی زندگی بسر کرے لیکن بدقسمتی سے انگریز نے ایسی چال چلی اور اس نے جاتے جاتے اس نظام کو ایسی ڈگر پر چلانے کے لئے اتنے بھرپور انتظامات کئے کہ ہم نام کے تو آزاد ہو گئے لیکن اٹھارہ سو ستاون اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے آنے کے بعد کسی صورت حال میں، ذرہ تبدیلی ہم نے گوارا نہ کی ۔

ہم آزاد ہیں یا غلام

تو جناب چیرمین صاحب آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہم اپنے آپ کو ایک آزاد شہری کہلا سکتے ہیں ۔ ہم اپنے ملک کو آزاد ملک کہلا سکتے ہیں جس مملکت میں سامراجی دور کا نظام جاری و ساری ہو جس میں تمام تعزیرات، تعزیرات انگریز ہوں جس میں وہی حدود و قیود ہوں اور تعلیم کے میدان میں اور تمدن کے میدان میں، سیاست کے میدان میں، معیشت کے میدان میں اور خاص کر عدالت کے میدان میں تمام کے تمام وہی طریقہ کار اور ضوابط ہوں ۔ ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سے سفید چمڑی والا انگریز چلا گیا ہے لیکن ہم یہ نہیں،

کہہ سکتے کہ ہم ایک نظام سے آزاد ہو گئے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ جب تک یہ عظیم مقصد حاصل نہیں کریں گے دو سو سال میں دی جانے والی تمام قربانیاں رائیگاں رہیں گی۔ ہم ہر سال آزادی کا دن مناتے ہیں لیکن درحقیقت ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ درحقیقت ہم اس دن آزاد ہوں گے جب ہم لارڈ میکالے اور لارڈ کرزن کے نظام سے گلو خلاصی حاصل کریں گے اور اسی دن ہمیں حقیقی آزادی منانے کا حق ہو گا۔ جب کہ چالیس سال سے مسلسل ہم نے اسی نظام کو سینے سے لگائے رکھا ہے۔

چالیس سال میں ہم کہاں پہنچے

اور اس کے نتیجے میں آپ نے دیکھا ہے کہ ہمارے یہ چالیس سال کیسے گذرے ہیں۔ یہ عرصہ مسلسل سیاسی کشمکش اقتدار کی رسہ کشی ایک دوسرے کو اتار نے چڑھانے کی سازشیں کرنے میں گذرا ہے۔ اس کے بعد معیشت کے میدان میں کتنا عظیم تفاوت ہے۔ اخلاقی اقدار کی پامالی اور اخلاق باختگی اور اپنی زندگی کے حقیقی مقاصد سے ہم دور ہٹتے چلے گئے ہیں۔ پھر آخر کار یہ ہوا کہ اسلام کا جو رشتہ ہم سب کی قومیتوں کو جسد واحد بنا کر رکھ سکتا تھا جس رشتے کی وجہ سے برصغیر کے پورے مسلمانوں نے لازوال قربانیاں دیں اس وقت نہ کسی نے یہ کہا کہ میں سندھی ہوں یا پٹھان ہوں یا یوپی والا ہوں مگر وہ رشتہ بھی کمزور ہوتا گیا کیونکہ جب نظام انگریزی تھا تو یہ نظام ہمیں ڈنڈے کے زور سے غلام بنا کر رکھ سکتا تھا۔ لیکن بحیثیت نظام کے وہ ہمیں ایک رشتے میں نہیں جوڑ سکتا تھا تو ملک کا ایک بازو ٹوٹ گیا اور اس کے بعد لسانی اور گروہی عصبیتوں کا ایک طوفان اٹھا اور اب ایسے عفریت نے منہ کھولا ہوا ہے جو ہمیں ہڑپ رہا ہے تو یہاں یہ تمام سیاسی بحران پیدا ہوئے اور پھر خدا اور رسولؐ کے تصور سے عاری ایک نظام ہو گا تو اس سے انسان مادہ پرست بن جاتا ہے پوری قوم مادہ پرستی کی طرف چالیس سال سے رواں ہے۔ اسی کے نتیجہ میں رشوت کا دور دورہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں سمگلنگ ملاوٹ اور چور بازاری کا بازار گرم ہوا۔ اسی کے نتیجہ میں مہنگائی انتہا کو پہنچنے لگی۔ ہر شخص نے یہ تصور کیا کہ اب حلال حرام کا تصور تو ہے نہیں بقول اکبر الہ آبادی ؎

چند دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ

کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

وہی تصور چھا گیا کہ راتوں رات دولت حاصل کرو۔ امیر بنو۔ اس کے لئے حلال و حرام کی سب حدود پامال کرو یہ قوم ایسا بالکل ایک مادہ پرست قوم بن چکی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ ہمارے سامنے اپنا کوئی نظام نہیں رکھا گیا جو ہمیں اللہ اور رسولؐ کا تصور دیتا جو ہمیں ڈراتا۔ ہمیں اس پہ چلاتا اور ہم اس کی برکات سے محظوظ ہوتے۔

قرارداد مقاصد کی اساس

جناب چیئرمین صاحب! قیام پاکستان کے فوراً بعد ۱۹۴۹ء میں یہ کوششیں دین چاہنے والے علماء بزرگوں اور عام لوگوں کی طرف سے شروع ہوئیں کہ ہم اس گاڑی

کا قبلہ درست کر دیں اور اس کے لئے بڑی زبردست جدوجہد علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت اور سرکردگی میں ہوئی جو پاکستان کے بانیوں میں سے تھے۔ اور جس نے بہت سی قربانیاں اپنوں اور پرایوں سے جھگڑ جھگڑ کر دی تھیں۔ انہوں نے ایک منظم تحریک چلائی کہ اس حکومت کے بنیادی خدوخال اور بنیادی راہِ عمل اور خطوط طے ہوں۔ اسی سلسلے میں ۱۹۴۹ء میں قیام پاکستان کے بعد قرارداد مقاصد کی شکل میں ایک مقدس دستاویز مرتب کی اور اس کے منوانے کے لئے کوشش کی۔ جسے بالآخر انہوں نے اس وقت کے حکمرانوں سے منوا لیا۔ اس طرح انہوں نے اس ملک کا قبلہ متعین کر دیا۔ مگر بدقسمتی سے اس کی روشنی میں کوئی قانون سازی نہ ہوئی۔ قرارداد مقاصد کی بنیاد یہی تھی کہ ہم نے جب آزاد ملک حاصل کیا ہے تو یہاں ساورنٹی حاکمیت اعلیٰ خداوند تعالیٰ کی ہوگی۔ ہم رب العالمین کے طے کردہ حدود اور جو راستے ہیں۔ جو طریقے ہیں ان کے اندر رہتے ہوئے اپنی حکمرانی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے اس کو استعمال کرتے رہیں گے مگر اس کے بتائے ہوئے حدود کو پامال نہیں کریں گے۔ اور

حاکمیت خداوندی کے تقاضے

حاکمیت اعلیٰ حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان کبھی بھی اپنے آپ کو اصل حکمران نہیں کہہ سکتا۔ اس کی حاکمیت خلافت کی حاکمیت ہوتی ہے۔ امانت کی حاکمیت ہوتی ہے اور فیصلے اس نے انہی احکام کے تحت کرنے ہیں جو حاکم مطلق ہے اس کے لئے متعین اور واضح کر دئے ہیں۔ اس لئے کہ اس کے سامنے یہ آیات ہوتی ہیں :-

وَمَنْ لم یحکم بِمَا اَنزل اللّٰہُ فاولٰئِك هم الفاسِقُوْن

وَمن لم یحکم بِمَا اَنزل اللّٰہُ فاولٰئِك هم الظالمون

وَمن لم یحکم بِمَا اَنزل اللّٰہُ فاولٰئِك هم الکافرُوْن

اور فرمایا ان الحکم اِلاّ اللّٰہ۔ اور فرمایا الا لہ الخلق والامر اور فرمایا لِلّٰہ الامر۔ ان آیات میں اور ایسی بے شمار سینکڑوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پہ حاکمیت اعلیٰ اور ساورنٹی اپنے آپ تک محدود کر رکھی ہے۔ اور یہ الاٹ کر رکھی ہے کہ یہ میرے دائرہ اختیار میں ہے اس میں بندے کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔ ہاں ان حدود میں رہتے ہوئے خلافت کے طور پہ اپنی زندگی گزارنے کا حق ہے۔ اب اس حاکمیت اعلیٰ کو ہم قانون سازی کے ذریعے ہی زندگی میں نافذ کروا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حاکمِ اعلیٰ ہے۔ لیکن اس کی سنت کا اور اس کی حکمتوں کا یہ تقاضا نہیں ہے۔ نہ اس کی صورت یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ آ کر جج بن جائے اور حاکم کی کرسی پر بیٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت قرآن و سنت کے ذریعہ سے منوانا چاہتا ہے بندوں پہ۔ اللہ کی حاکمیت یہ ہے کہ اس کے دئے ہوئے راہِ عمل تعلیمات اور احکام و فرامین جو قرآن و سنت کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں ان کے تحت ہم ان کو حاکمیت کا حق دیں۔ ہم اقتدار کی کرسی پہ عدالت کی کرسی پہ اور اپنے تمام مناصب جلیلہ پہ قرآن و سنت کو بٹھا دیں۔ اور اس کی یہی صورت تھی کہ ہم

عدالتوں میں قرآن و سنت کے قوانین جاری کرتے اور ہماری زندگی پر صرف قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہوتی اور ہم اللہ تعالیٰ کو ساورن مان لیتے ۔ اور اللہ کو حاکم اعلیٰ مان لیتے ۔ لیکن ایسا کئے بغیر ہم کسی دستور میں لاکھ بار بھی اللہ کو حاکم اعلیٰ کہیں اور اپنے دروازوں پر بڑے بڑے طغرے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے لگائیں اور تقریروں کی بنیاد اس کو بنادیں ۔ اس کو سلوگن بنادیں ۔ اس کو تعویذ کی طرح استعمال کریں لیکن میں کہتا ہوں کہ اس طرح حاکمیت اعلیٰ ہماری عملی زندگی میں نافذ نہیں ہو سکتی ۔

حاکمیت خداوندی کا اعتراف عدالتوں سے ہی کرایا جاسکتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ سے عدالت کے ذریعہ نظام عدالت کے ذریعہ اس حاکمیت اعلیٰ کو چلایا اور نافذ کروایا ۔ اور زندگی کے سارے شعبوں پر کنٹرول عدالت کو دے دیا ۔ اس کے بعد عدالت کو بھی کھلا نہیں چھوڑا عدالت کو قطعی پابند کیا کہ حاکم بھی مسلمان معاشرے کا ایک فرد ہے تم بھی اللہ کی طرف سے حاکم کے طور پر اور ثالث کے طور پر فیصلے کرو گے ۔ لیکن فیصلے خدا اور رسول ؐ کی مرضی کے مطابق کرو گے ۔ اور پھر رسول ؐ کو کہا کہ تیرے رب کی قسم جب تک تجھے حاکم نہ مان لیں اپنے معاملات اور جھگڑوں میں تجھ سے فیصلہ نہ کروائیں تو یہ ہرگز ہرگز مومن نہیں کہلا سکتے

فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماہ

یہ ساری آیتیں ہیں کہ فیصلہ کے حق کو بھی کسی جج کو کسی عدالت کو بالکل کھلا نہیں چھوڑا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام اور فرامین کے خلاف جیسے بھی چاہے وہ فیصلہ دے دے ۔ تو گویا یہ عدالت نائب ہے خلیفہ ہے کہ یہ اللہ اور رسول ؐ کی حاکمیت کو مسلم معاشرے میں اس کی مخلوق میں نافذ کروائے ۔

اسلامی تاریخ میں اسلامی عدالتیں !

چنانچہ چودہ سو برسوں سے انہیں عدالتوں کے ذریعہ قرآن و سنت کی حاکمیت کا اعتراف کیا جاتا رہا ہے ۔ اور قرآن و سنت کو حق دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے تمام احکام اور معاملات کا فیصلہ اس کے ذریعے سے کروا سکیں ۔ کبھی یہ عدالتیں مدون دفعات سامنے رکھ کر فیصلے کرتی تھیں کبھی غیر مدون دفعات کی شکل میں قرآن و سنت اور اس سے مستنبط احکام اور پچھلے فیصلوں کو سامنے رکھ کر اپنی اہلیتوں اور صلاحیتوں کی روشنی میں فیصلے کرتی چلی آ رہی تھیں ۔ خلافت راشدہ کے بعد بھی اسلام کے عروج اور اس کے ارتقاء کے اور امن و سلامتی کے ایسے بڑے بڑے دور گزرے ہیں ۔ پوری خلافت بنو امیہ اور خلافت بنی عباس کے زمانہ میں عدالتیں فیصلے قرآن و سنت کی روشنی میں کرتی تھیں ۔ اس کے سامنے اگرچہ مدون چیزیں نہیں تھیں ۔ لیکن اصول و ضوابط ماخذ ایسی تمام چیزیں موجود تھیں ۔ خلافت عثمانیہ میں بھی یہی سلسلہ چلا آ رہا تھا ۔ کئی سو برس ہندوستان میں بھی مسلم عدالتیں قرآن و سنت اور اس پر مبنی احکام اور تفاصیل کو سامنے رکھ کر مسلم معاشرے

میں عدل و انصاف اور حقیقی فلاحی ریاست کی جو رعائیتیں ہیں، جو حقوق ہیں وہ برکات بکھیرتی رہیں اور اس طرح مسلمان معاشرہ تمام دنیا کے لئے قابلِ رشک معاشرہ عدالتی نظام کے لحاظ سے بھی بنا رہا۔

کیا دفعہ وار قوانین لازمی ہیں؟

قرآن و سنت نے یہ تو لازم قرار نہیں دیا کہ ایک عدالت کے سامنے لازماً ایک مدوّن اور دفعہ وار قانون موجود ہونا چاہئیے۔ یہ صورتِ حال اب بھی دنیا میں کئی جگہوں پر موجود ہے۔ برطانیہ جو کہ دنیا میں قانون کا بہت بڑا علمبردار بنا ہوا ہے وہاں بھی آئین اور قانون سے بڑھ کر پہلے سے جاری جو روایات ہیں۔ انہی روایات کو دیکھ کر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ وہ عدالتیں اپنے ان روایات کا لحاظ رکھتی ہیں اور ان روایات کے تقدّس برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اور فیصلے کرتی ہیں۔ یہی اس وقت ایک اسلامی سٹیٹ سعودی عرب میں ہو رہا ہے۔ پھر اگر ہم چاہتے کہ یہ مشکل بھی حل ہو جائے اور جدید تقاضوں اور جدید حالات کی روشنی میں عدالتوں کے سامنے ایک ڈیفائنڈ مدون ایک قانون موجود ہو تو اس کے لئے یہ مشکل نہیں تھا۔ چالیس برس ایک طویل عرصہ ہے۔ آج کہا جا رہا ہے کہ دفعہ وار قوانین نہیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس غفلت اور کوتاہی کا ارتکاب کس نے کیا ہے۔ چالیس سال اللہ نے ہمیں حکمرانی کا موقع دیا اور ہم ہمیشہ کہتے رہے کہ قرارداد مقاصد ہماری راہنما ہے اور ہم اسلامی آئین کے مطابق فیصلے کریں گے۔ یہ مسلم معاشرہ ہے یہاں اسلامی قوانین کی بالادستی ہوگی تو اس لئے کچھ کام تو آگے بڑھا دیا ہوتا۔ چالیس سال کیا میں کہتا ہوں کہ یہ کام چالیس مہینوں میں بھی سرانجام دیا جا سکتا تھا۔

تدوین قوانین اسلامی اور حکومت کی مجرمانہ کوتاہی

جناب والا! پھر شریعت بل کو یہاں پیش ہوئے تقریباً دو سال ہونے کو ہیں پونے دو سال، جب شریعت بل کا مسئلہ سامنے آیا تو اربابِ حکومت کو وزارتِ انصاف کو اور وزارتِ قانون کو یہ سوچنا چاہئیے تھا کہ یہ چیز جو سامنے آ رہی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے وہ قانون کو دفعہ وار مدون کرنے کا کام شروع کر لیتے اس طرح دو سال کے عرصے میں اس کا کچھ حصہ تو سامنے آیا ہوتا۔ پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ اتنا بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ اس وقت عالمِ اسلام میں کئی مدون مجموعے موجود ہیں اور اس پر فیصلے ہوتے چلے آ رہے ہیں خلافت عثمانیہ نے "المجلہ" کی شکل میں ساری دفعات کو مدون و مرتب کر دیا تھا۔ اس وقت اردن کی حکومت نے بہت بڑا عظیم کام کیا ہے اور ایک فقہی انسائیکلوپیڈیا فقہ پر مرتب کر رہے ہیں۔ پھر اگر ہم اس صورتِ حال کی ضرورت پیدا کریں گے تو بحران پیدا نہیں ہوتا۔ ضرورت کے بعد اس کی مشکلات بھی حل ہوں گی اور وہ سارے دفعات بھی مرتب ہو جائیں گے اس وقت بھی ہم خلا میں نہیں ہیں۔ کہ یک دم یہ مشکل ہمارے سامنے آ جائے گی۔ تقریباً طویل عرصہ یعنی ۱۵ سال سے اسلامی نظریاتی کونسل انہی خطوط پر کام کر رہی ہے اور اس نے بہت سی چیزیں رپورٹوں کی شکل میں دفعات کی شکل میں مسودات کی شکل میں بہت بڑا ذخیرہ ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے۔ ہم اگر آج بھی عدالتوں کو اسلامی قوانین پر فیصلہ کرنے کا پابند کر دیں تو

ان کے سامنے بہت بڑے ڈھیر آ جائیں گے مگر آپ ارادہ کریں۔

دیت اور قصاص پر آپ ایک سال بحث کر چکے ہیں۔ اس قوم کے برگزیدہ لوگوں نے، سکالروں نے، دانشوروں قانون سازوں نے، ججوں نے ۱۹۷۹ء سے تقریباً ۱۹۸۵ء تک دیت اور قصاص کے مسئلے پر ساری تفصیلات پر غور و خوض کیا۔ اس کے متبادل ترامیم آئین یہ سارا ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ دیت اور قصاص کا وہ مسودہ جو مجلس شوریٰ نے بالآخر تمام مکاتب فکر کے ہوتے ہوئے متفقہ طور پر اس کو پیش کیا۔ اگر آج بھی اس دیت اور قصاص کے مسودے کو آپ اپنے اس مؤقر ایوانوں سے پاس کروا لیں اور آپ چاہیں تو یہ سب کچھ ایک دن میں پاس کروا سکتے ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ستر فیصد فوجداری قوانین مرتب شکل میں ہمارے سامنے ہوں گے۔

جناب چیئرمین: اگر اختصار سے کام لیں، کیونکہ وقت بہت گذر گیا ہے۔

مولانا سمیع الحق: جناب میں تو تقریباً تین گھنٹے لوں گا اب فیصلہ آپ فرمائیں کیونکہ ڈیڑھ سال اس موضوع پر لوگوں نے اظہار خیال کیا ہے۔ اگر میری صحت نے جواب نہ دیا اور گلا نہ بیٹھا اور آپ نے بھی اس طرح تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا تو کم از کم رات بارہ بجے تک میں انشاء اللہ اس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ڈیڑھ سال تک لوگوں کو آپ نے کھلا وقت دیا ہے۔ اس وقت تو میں بالکل ابتدائی پوائنٹ پر ہوں اور مجھے وہ تمام خدشات اور شبہات جو ملک بھر میں اٹھائے گئے ہیں اجتہاد کے مسئلہ میں فرقہ واریت کی شکل میں اور مقننہ کے اختیارات پر قدغن لگانے کی شکل میں اور یہ کہ یہ سیاسی بل ہے۔ یہ تنازعہ ہے انشاء اللہ ان تمام باتوں پر اپنا طالب علمانہ اظہار خیال کرنا ہے۔ اب جیسے آپ حکم دیں کہ کس وقت تک آپ چلا سکتے ہیں اجلاس کو۔ وہ آپ خود دیکھ لیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو بارہ کیا چھ بجے تک بھی بیٹھ سکتا ہوں۔ لیکن ایوان میرے خیال میں اس کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔

مولانا سمیع الحق: جیسے جناب آپ کی اور ایوان کی رائے ہو۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آج اس معاملے کو ختم کر دیں۔

سید عباس شاہ: آپ اس کو ختم کر دیں یا نہ آپ کی مرضی لیکن کورم جناب پورا نہیں ہے۔

جناب چیئرمین: اگر آج پہلی خواندگی ختم ہو جاتی تو آگے بھی بہت سارے مراحل ہیں۔ آپ کے سامنے بھی ایوان کے سامنے بھی۔ تو اس پر بھی بہت سی بحث ہو سکتی ہے۔ بہرحال اگر کورم نہیں ہے تو گھنٹی بجائی جائے (گھنٹی بجائی گئی)

جناب چیئرمین: میرے خیال میں اجلاس کو برخاست ہی کرنا پڑے گا۔

جناب وسیم سجاد: جناب یہ بحث اگلے پرائیویٹ ممبرز ڈے پر بھی جاری رکھیں گے۔

جناب چیئرمین: اچھا۔

مولانا سمیع الحق: یعنی فلور میرے ہاتھ میں ہو گا میں آغاز کروں گا۔

جناب چیئرمین : جی فلور آپ کے پاس ہو گا۔

مولانا سمیع الحق : بس ٹھیک ہے جی میں آغاز کروں گا۔

(مداخلت)

مولانا سمیع الحق : میں نے تو کہنا تھا۔ اب جگہ مقام کے بیٹھو مری باری آئی۔ اور ؎

نالۂ بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

تو میں نے کہا آج آپ نے جگہ مقام کے بیٹھ کر سننا ہو گا اس لئے کہ ؎

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

جناب چیئرمین : ضرور

مولانا سمیع الحق : لیکن یہ حضرات تو کہہ رہے ہیں کہ آج رات بارش ہوئی ہے بڑی زبردست فضا ہے۔ ہم باہر جانا چاہتے ہیں۔

جناب چیئرمین : اچھا وزارت انصاف و پارلیمانی امور کی وساطت سے اجلاس کی آئندہ کارروائی کے متعلق صدر صاحب کا ایک حکم موصول ہوا ہے وہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

(اجلاس برخاست)

> اس کے بعد مورخہ ۱۵ مارچ کو مولانا سمیع الحق نے سینیٹ کی پرائیویٹ کارروائی کے دن رات کی نشست میں اپنا خطاب مکمل فرمایا۔

چیئرمین نے کہا۔ اس پر پہلی خواندگی ابھی جاری ہے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے جو کہ اس بل کے ایک محرک ہیں اپنی اختتامی یا جوابی تقریر آج کل مکمل کرنی ہے تو وہ مہربانی کر کے وہاں سے شروع کریں جہاں سے انہوں نے پچھلے اجلاس میں ختم کیا تھا۔

مولانا سمیع الحق :

عدالتوں کو پابند بنانے پر اشکالات اور جواب

جناب چیئرمین صاحب! میں نے اپنی گذارشات کے اختتام میں یہ عرض کیا تھا کہ بل کے ذریعہ ہم عدالتوں کو قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند چاہتے ہیں اس کے

بارے میں کچھ خدشات اور مشکلات بیان کی گئی ہیں اور بہت سے دوستوں نے ان مشکلات کا ذکر کیا ہے تو اس وقت میں عرض کر رہا تھا کہ ایک طریق کار تو یہ ہے کہ مدون قانون کو ڈیفائی دفعہ وار کسی عدالت کے سامنے رکھا جائے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عدالت کو قرآن و سنت اور اسلامی احکام کی تعبیر و تشریح کا حق دیا جائے اور قانون موضوعہ اس کے سامنے نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں کچھ مشکلات بیان کی گئی ہیں کہ اگر ان کو کلی اختیار دیا جائے تو ان کو چونکہ اسلامی علوم کے اوپر مہارت نہیں ہے اور اسلامی قانون کا جو سرچشمہ ہے اور اکثر عربی میں ہے تو اس طرح شاید وہ صحیح فیصلہ نہ کر سکیں۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ ہم قوانین مدون کر کے ان کے سامنے رکھیں۔ اس میں یہ مشکلات سامنے آتی ہیں کہ قوانین کی تدوین اگر ہم از سر نو شروع کریں۔

پارلیمنٹ سے منظوری کے لئے عمرِ نوح درکار ہے

اور جیسے کہ پارلیمانی نظام مروج ہے اور پھر پارلیمنٹ کے سامنے ان قوانین کی منظوری کا یہ سارا سلسلہ چلتا رہے تو دو تہائی اکثریت درکار ہو گی۔ اور پھر یہ ہے کہ جو مسودہ سامنے آئے گا اس پر پہلی خواندگی ہو گی۔ پھر دوسری پھر تیسری۔ اور پھر ترامیم در ترامیم آئیں گی۔ ہم نے دو سال میں دیکھا کہ قوانین اور بل ان مراحل سے گذارے جاتے ہیں شاید وہ ان مدون دفعات کو منظور کرے بھی یا نہ کرے۔ اور اگر کرے بھی تو اس کے لئے عمر نوحؑ اور صبر ایوبؑ درکار ہے۔ چالیس سال ہم نے ایسے گذار دیے ہیں۔ اگر تدوین کا یہ سلسلہ از سر نو پارلیمنٹ سے گذارا جائے تو اس کے لئے غیر معینہ مدت بلکہ شاید صدیوں تک ہمیں انتظار کرنا پڑے۔ اور ہم اسلامی قوانین کی طرف پیش رفت نہ کر سکیں۔ یہاں تلور (ایک پرندہ) پر پابندی کا مسئلہ دو سال تک چلتا رہا۔ اور قومی اسمبلی نے اس مسئلہ پر قیمتی وقت اور سرمایہ ضائع کیا۔ اور میں نے بعض دوستوں سے کہا کہ ۷۰ء سے جو تحریک چلی تھی، سوشلزم کا نعرہ اٹھا تھا۔ پھر ۷۷ء میں ملک میں ایک تحریک چلی اور اس کے نتیجے میں مارشل لاء آیا اور مارشل لا کے نتیجے میں پھر ۱۹۸۵ء میں یہ جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ یہ سارا سترہ سال کا سلسلہ گویا تلور کے لئے تھا خلاصہ تو اس کا ہمارے سامنے یہی آیا۔ اور بالآخر اسے مسترد کر دیا گیا۔ اگر اس طریقے سے ہم ایک ایک دفعہ اور قانون پاس کرائیں گے تو اس کے لئے ہم شاید اپنی منزل پر نہ پہنچ سکیں۔ تو میں نے عرض کیا تھا کہ اس وقت کچھ چیزیں ہم مدون شکل میں عدالت کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کے لئے عدالتوں کو ان چیزوں کا پابند بنائیں گے۔ تو دونوں میدانوں میں ہم آگے قدم بڑھا سکیں گے۔ مشکلات دونوں میں آئیں گی لیکن کچھ تو پیش رفت شروع ہو جائے گی۔ اور مشکلات اللہ کی مہربانی سے حل ہو جائیں گی۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارے پاس اس وقت بہت سا ذخیرہ مدون بھی موجود ہے۔ نظریاتی کونسل نے ایک طویل عرصہ تک کام کیا ہے۔ دیت اور قصاص کے قوانین پر محنت ہوئی ہے۔ شفعہ کا سارا مسئلہ مدون شکل میں

موجود ہے۔ قانونِ شہادت کا سارا مسودہ نظریاتی کونسل اور کئی اداروں کی تنقیح تجزیہ اور تحلیل سے گزرا ہے۔

عدالتوں کو پابند بنانے سے بحران پیدا نہیں ہوگا

تو اس وقت کوئی بہت بڑا بحران پیدا نہیں ہوگا اگر ہم عدالتوں کو اسلامی قوانین پر فیصلہ کا پابند بنائیں گے۔ کیونکہ اس وقت جتنے قوانین رائج ہیں تو ان میں بہت بڑی اکثریت ایسے قوانین کی ہے جن کا تعلق انتظامی نوعیت کے قوانین سے کیا جا سکتا ہے۔ ان کا تعلق حلال و حرام اور جائز و ناجائز سے نہیں ہوتا۔ ان قوانین میں سے کچھ پر نظریاتی کونسل اور کچھ وفاقی شرعی عدالت نظرثانی کا کام کر چکی ہے اور سارا ذخیرہ ان انتظامی قوانین کا ان دونوں اداروں نے کھنگالا ہے۔ ان میں سے اگر اکا دکا کوئی بات آئے گی تو معمولی ترمیم کی ہوگی۔ اور ان ترامیم کی نشان دہی بھی کی جا چکی ہے۔ تو ہم جب اس بل کا دفعہ چار پاس کرلیں گے تو رائج الوقت قوانین جو انتظامی نوعیت کے ہیں ان کو اسی حال پر رہنے دیں گے۔ اور ان کو تحفظ مل جائے گا وہ خلاف شرع نہیں ہیں۔ یہ سلسلہ وہاں ختم ہو جائے گا۔ اس میں ہم اتنی بات کریں گے کہ اس تصریح کے ساتھ کہ عدالتیں ان انتظامی قوانین پر فیصلہ کی پابند ہوں گی۔ بجز اس کے کہ اس کی کوئی چیز، قانون شریعت کے خلاف نظر آئے تو اس میں شریعت کو بالادستی ہوگی۔ اگر کسی جج کو از خود کوئی چیز نظر آئے ان انتظامی قوانین میں کوئی چیز خلاف شرع ہے تو اس تصریح کے بعد اس کے لئے کوئی مشکلات نہیں ہوں گی۔ دوسرا حصہ عدالتوں میں مروجہ فوجداری قوانین کا ہے تو سارے فوجداری قوانین کی منسوخی بھی ضروری نہیں۔

اگر ہم دفعہ چار نافذ کردیں تو اس سے تمام فوجداری قوانین یک دم یک لخت منسوخ نہیں کرنے پڑیں گے۔ وہ اس لئے کہ اس وقت حدود آرڈیننس نافذ العمل ہے۔ اور بہت سے فوجداری قوانین حدود آرڈیننس کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح دیت و قصاص کا مسودہ جو سارے مراحل سے گزرا ہے اگر ایک دن میں بھی اس کو نافذ کرانا چاہیں تو نافذ کرا سکتے ہیں تو ۹۰ فیصدی فوجداری قوانین اس کے ماتحت آجائیں گے۔ اور ایک مدون چیز ۱۰ فیصدی دیت و قصاص کی شکل میں ہم عدالت کے حوالے کر سکیں گے کہ اس کے مطابق آپ نے فیصلہ کرنا ہے۔

شریعت سے متصادم قوانین

فوجداری قوانین میں بھی ہم یہ کر سکتے ہیں کہ کسی عدالت کی فوجداری قوانین میں کوئی دفعہ شریعت کے خلاف ہو تو شریعت کا حکم بالادست ہوگا۔

اب ہمارے سامنے صرف دیوانی اور ایسے فوجداری قوانین ہیں جن کا شریعت سے تصادم آسکتا ہے۔ کچھ دیوانی قوانین اور فوجداری قوانین اسلامی قوانین کے بنیادی تصورات سے مختلف ہیں اور ایسے قوانین ہیں جن کا شریعت سے بنیادی اختلاف موجود ہے۔ مثلاً قانون معاہدہ ہے، قانون بیع ہے قانون انتقال اراضی اور قانون انتقال جائیداد ہے۔ اس میں اگر کوئی دفعہ شریعت کے خلاف نظر آئے تو اس کو ہمیں منسوخ کرنا پڑے گا۔ اس دفعہ کی روشنی میں صرف ایک تہائی ایک چوتھائی حصہ قوانین جو ایسے سامنے آئیں گے جس کو ہم منسوخ کر کے عدالت کے سامنے

متبادل چیز ہم رکھ سکتے ہیں۔ فی الحال عبوری دور کے لئے کہ ان دیوانی قوانین میں آپ کو یہ چیزیں سامنے رکھنی ہوں گی اور اس سے رہنمائی لینی ہوگی۔

عالم اسلام میں مدون اسلامی قوانین

عالم اسلام میں ہمارے سامنے بہت سے ایسے مجموعے آچکے ہیں جن پر بڑی محنتیں ہوئی ہیں۔ علماء نے، ججوں نے اور انتظامیہ نے ان قوانین کو مدون کیا ہے۔ سب سے پہلے مجلۃ الاحکام العدلیہ جو خلافت عثمانیہ میں دس سال یا سولہ سال کی محنتوں کے بعد مدون ہوا۔ اس کے انگریزی ترجمے بھی موجود ہیں۔ اگر عدالت ان ساری چیزوں سے رہنمائی حاصل کرے گی تو کوئی اختلاف یا انتشار یا پریشانی نہیں ہوگی۔ یہ مدون مجموعہ خلافت عثمانیہ میں بھی رائج رہا۔ اردن اور کویت اور دیگر کئی اسلامی ممالک میں عدالتیں اس کو سامنے رکھ کر اب بھی فیصلہ کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اردن میں اس سلسلے میں بڑا کام ہوا۔ اور انہوں نے اسلامی قوانین کا ایک انسائیکلوپیڈیا جو دیوانی مقدمات سے تعلق رکھتا ہے اور دو جلدوں میں وہ مجموعہ موجود ہے۔ وہ مجموعہ بھی ہم عدالتوں کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔

اسی طرح مصر میں علماء وکلاء اور ججوں کی رہنمائی میں بہت بڑا دیوانی اور فوجداری مجموعہ شائع ہوا ہے اور اسی پر عمل ہوتا ہے اور علماء نے اس کو دیکھا ہے کہ اس میں قرآن و سنّت کے مطابق سارے دفعات بنائے گئے ہیں۔ یہ چیزیں اگر ہم ان عدالتوں کے سامنے رکھیں تو ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

پرسنل لاء اور عدالتیں

شخصی قوانین جو پرسنل لا ہے جس میں نکاح، طلاق، وراثت، عدت اور ان چیزوں کے مسائل ہیں جو پرسنل لا کہلاتے ہیں۔ اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ عدالت ہر مسلمہ اسلامی مکتب فکر جیسے اس کی جو واضح تعلیمات ہیں اس کو سامنے رکھ کر عدالت اس پر فیصلہ دے گی۔ کسی مکتب فکر کے حقوق پر بھی زد نہیں پڑے گی اور نہ کسی کا مواخذہ۔

تشریح و تعبیر کا نہیں بلکہ تطبیق

اس طرح ہم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہم نے عدالت کو تعبیر و تشریح کا حق دیا۔ ہم عدالت کو تعبیر و تشریح کا حق نہیں دیتے بلکہ قوانین ان کے سامنے رکھ کر ان کو کہتے ہیں کہ بھئی آپ اس کو دیکھ کر فیصلہ کریں۔ آج بھی عدالت تشریح و تعبیر نہیں کرتی تطبیق کرتی ہے جو مروجہ قوانین ہیں۔ اس کی دفعات کو اپنے سامنے رکھ کر اپنی ذہنی استعداد اپنے تجربہ اپنے معلومات اور انکشاف حقائق کے بعد کسی دفعہ کا تطبیق کسی فیصلہ پر کراتی ہے یہی صورت اس وقت بھی ہوگی۔

عقیدہ سے ہم آہنگ قوانین کی وجہ سے عدالتیں محتاط رہیں گی

یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے موجودہ حالات میں اگر اسلامی قوانین ججوں کے حوالے کئے اور اس کے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کا کہا تو معاشرہ خراب ہے۔ اور سارے طبقوں میں بددیانتی رچی بسی ہے تو پھر قرآن و

سنت کا تقدس نہیں رہ سکے گا اور اس کے خلاف رشوت ستانی سے شریعت بکے گی اور دین کے مطابق فیصلے نہیں ہو سکیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کوئی ایسی بات کرتے تو ہمیں ازالہ حیثیت عرفی اور توہین عدالت کی سزا دی جاتی۔ لیکن یہاں اس ملک میں شریعت بل پر بحث کرتے وقت کئی لوگوں نے مضامین، تقاریر کے ذریعے ججوں کو اور سب کو مطعون کر دیا۔ کہ پھر وہ ساری شریعت بیچ دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ الحمد للہ ہر طبقے میں اچھے لوگ بھی ہیں ہمارے سارے ججوں کی دیانت پر شک نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی قانون انسان نے نظریہ اور عقیدہ سے ہم آہنگ اور اس کو تصور آخرت و محاسبۂ آخرت سے وابستہ کیا جائے تو اس پر انسان بڑی بیدردی اور جلدی سے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ موجودہ قوانین اگر کسی جج کے سامنے ہیں تو اس کو کوئی جھجک نہیں کہ وہ اس کو صحیح طور پر چلائے یا نہ چلائے۔

وہ اس کو پتہ ہے کہ انگریزی قانون ہے اس کا کوئی تقدس میرے عقیدے میں نہیں اور نہ یہ میرے عقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس قانون میں ایک دن میں ایک گواہ دس دس مرتبہ بک کر اندر آتا ہے اور وہی گواہ گواہی دیتا ہے۔ اس کو یہ بھی پتہ ہے کہ وکیل حقائق کو بدل رہا ہے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنا رہا ہے۔ پھر وہ کہے گا کہ جب سارا نظام ہی غلط طریقوں سے آرہا ہے تو مجھے کیا پابندی کرنی ہے ان قواعد کی؟ میں کیوں ہزار دس ہزار میں اس فیصلے کو نہ بدلوں۔ اور ان قوانین کو کیوں نہ بیچوں۔ لیکن اگر قرآن و سنت سامنے رکھیں گے تو وہ کسی فیصلہ پر پہنچنے سے قبل ہزار مرتبہ سوچے گا۔ اور وہ اگر مسلمان ہو گا تو لرز اٹھے گا کہ اب اگر میں خدا اور رسولؐ کے فیصلوں کو بدلوں تو خدا اس کا مواخذہ مجھ سے کرے گا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح راستہ بالکل آسان ہو جائے گا۔ اور رشوت ستانی، بددیانتی اور غلط فیصلوں کا سلسلہ بھی خود بخود رک جائے گا۔

علماء سے استفادہ

پھر بھی اگر انہیں کچھ مشکلات ہوں گی تو ہم نے اس میں ایک دفعہ رکھی ہے کہ علماء اور اسلامی علوم کے ماہرین سے مشورہ کیا جائے اور ان کی رہنمائی میں وہ چند دن کے لئے ان سے استفادہ کریں۔ اسی طرح ہم نے شریعت کورٹ میں یہ اصول تسلیم کر لیا ہے وہاں بھی یہی اصول اس لئے رکھا گیا کہ دونوں آپس میں مل کر افہام و تفہیم اور ایک دوسرے سے استفادہ کرنے کے بعد کسی صحیح نتیجے پر پہنچ جائیں۔ اگر یہاں بھی کسی جج کے ساتھ کوئی عالم بیٹھتا ہے اور ہمارے شریعت بل کی دفعہ نمبر ۱ کے مطابق وہ معاونین کے طور پر ان کی رہنمائی کرے تو اس سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ یہ مشکلات ان کی اس طرح حل ہو جائیں گی۔

ملّا ازم اور تھیاکریسی یا وسیع النظرفی

اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ بھی کہا ہے جب کہ ہمیں کہا جا رہا ہے کہ یہ ملّا ازم ہم پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ ملّا ازم تو تب مسلط ہو گا کہ ہم کوئی ایسا قانون پاس کرواتے اور ہم آپ کے سامنے کوئی ایسا بل لاتے کہ سارا انتظامی ڈھانچہ ہی تبدیل کیا جائے۔

سارے عدالتی نظام سے وابستہ اشخاص کو یکسر تبدیل کرکے ان کی بجائے اسلامی علوم کے ماہرین کو بٹھایا جائے اس وقت آپ کہہ سکتے تھے کہ یہ ملاازم اور تھیاکریسی مسلط کی جارہی ہے ۔ یہ تو علماء کی انتہائی وسیع النظرفی ہے کہ ہم نے سارے انتظامی اور عدالتی نظام کے ڈھانچے کو تبدیل کرنے اور اسے از سرِ نو نئے بنیادوں پر استوار کرنے کا مسئلہ نہیں اٹھایا ہم نے کہا کہ فیصلہ یہی لوگ کریں ۔ عدالتیں انہیں کے ہاتھ میں ہوں لیکن اصلاح کی طرف کوئی قدم بڑھ جائے ان کو مدون شکل میں قوانین دے جائیں اگر کوئی مشکلات ہوں تو علماء سے تعاون حاصل کریں ۔ اگر انہی افراد کو آپ چند دنوں میں تربیت دیں گے اور ان کے سامنے جب ایک چیز کی ضرورت پیدا ہوجائے گی تو وہ بڑا ذہین طبقہ ہے وہ چند ماہ میں ان ساری مشکلات پر عبور حاصل کرسکتا ہے ۔ آپ ایل ایل بی کے نصاب میں انقلابی اور بنیادی تبدیلیاں لائیں گے ۔ اور جب اسلامی علوم کے تراجم انگریزی میں ان کے سامنے لائیں گے تو وہ اسلامی شریعت سے بھی باصلاحیت ہوکر نکلیں گے ۔ آپ ان کی ریفریشر کورس فوری کروائیں اور یہ مجلۃ الاحکام العدلیہ اور جو مجموعے اسلامی ممالک کے ہیں باقاعدہ درساً ان کو پڑھادیں ۔ اور چھ مہینے کے اندر اندر تمام جج ان تمام اسلامی قوانین جو اسلامی ممالک میں مدون شکل میں رائج ہیں ان پر ان کو عبور حاصل ہوسکتا ہے ۔

عدالتوں کے فیصلہ میں تضاد کا اشکال

یہاں یہ جھگڑا بھی بہت زیادہ اٹھایا گیا ہے کہ اس طرح عدالتوں کے فیصلوں میں اختلاف ہوگا ۔ ایک جج ایک فیصلہ کرے گا تو دوسرا اس کے مخالف ۔ اور اسلامی قوانین کے فیصلوں میں بہت بڑا تضاد پیدا ہوگا ۔ عجیب بات ہے آج بھی یہی صورتِ حال ہے آج تعزیراتِ ہند کی شکل میں جو قوانین ان کے سامنے ہیں یا جو اور قوانین ہیں ان سارے قوانین کے ہوتے ہوئے سارے جج ایک ہی فیصلہ نہیں کرتے ۔ راولپنڈی کا جج ایک قسم کے کیس میں جو فیصلہ کرتا ہے ۔ بدین اور کوئٹہ کا جج اور حیدرآباد اور کراچی کا اور ساہیوال کا جج اسی قسم کے فیصلے پر نہیں پہنچتا ۔ فیصلے مختلف ہوتے ہیں جب کہ قانون ایک ہی سامنے ہوتا ہے ۔ متضاد فیصلے آتے ہیں ۔ آگے عدالتوں میں جاکر ان کی تنقیح ہوتی ہے اور چھوٹی بڑی عدالت سے گذرتے گذرتے پھر ہائیکورٹ پھر سپریم کورٹ سے اس کی باقاعدہ ایک متعین تعبیر سامنے رکھ دی جاتی ہے ۔ اب متعین تعبیر جب سامنے آتی ہے تو پھر ساری عدالتیں اس کی پابند ہوجاتی ہیں تو یہاں بھی اگر کسی مسئلہ میں تضاد آیا تو اس کو حق ہوگا کہ اوپر اعلیٰ ہائیکورٹ یا شرعی کورٹ میں جائے ۔ تو یہ تضاد خود بخود ختم ہوجائے گا ۔

جمہوریت اور پارلیمنٹ پر قدغن کا اشکال

یہاں پر یہ اشکال بھی بہت سے لوگوں نے اٹھایا ہے کہ اس بل سے پارلیمنٹ اور جمہوریت پر قدغن لگ جائے گی ۔ حالاں کہ یہ بالکل غلط تصور ہے ہماری جمہوریتوں اور غیر مسلموں کی جمہوریتوں میں فرق ہے ہم نے بالکل مغربی جمہوریت کو اپنے تصور میں بٹھا رکھا ہے کہ مسلمان بھی اسی ڈگر پر من وعن چلے گا تو یہ معاملہ کسی مسلم معاشرہ کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا ۔ ان کی

جمہوریت حلال وحرام جائز اور نا جائز یا قرآن وسنت اور خداوند تعالیٰ کی بالادستی سے بالکل عاری ہوتی ہے۔ یہاں ہم نے قرار دادِ مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دیا اور ہم نے کہا ہے کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔ اور ساورنٹی جب ہم نے ان کو دی ہے تو ہم جمہوریت اور پارلیمانی اداروں کو کھلی آزادی نہیں دے سکیں گے۔ بے شک وہ سارے مسائل کے حل وعقد کو سوچیں گے۔ اور اس کے بارے میں فیصلے کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے کچھ متعین حدود ہیں اس کے وہ پابند رہیں گے۔

اسلامی اور غیر اسلامی جمہوریت

ہم یہ نہیں کر سکتے کہ پارلیمنٹ کو کھلی چھٹی دے دیں اور اس پر کوئی قدغن نہ ہو اگر یہ قدغن ہے تو پھر قرار دادِ مقاصد کو آئین کا حصہ نہیں بنانا چاہئے۔ یہ قدغن ہمارے آئین نے پہلے سے پارلیمنٹ پر لگا دی ہے پھر اس کے بعد میں نے جو عملی مشکلات بیان کی ہیں یہ مانا کہ ہم کلی طور پر تدوین قوانین کا کام اگر ہم پارلیمنٹ کے حوالے کر دیں تو اس کے لئے ہمیں صدیاں درکار ہوں گی۔ کسی مسئلے کے نتیجے پر پہنچنے کے لئے اور ترامیم پر پھر اس کو رد کرنے پر اور دو تہائی اکثریت حاصل کرنے پہ ایک عمر درکار ہوگی۔ خدانخواستہ کل کوئی ایسی حکومت آتی ہے جو لادینیت کی علمبردار ہے اور وہ سیکولرازم اور سوشلزم کے نام پہ آتی ہے۔ جیسے پہلے بھی اس قوم کے ساتھ ایسا ہوا۔ تو آپ پارلیمنٹ کو کھلا کھلا حق دے سکتے ہیں کہ اب یہ ملک اسلامی جمہوریہ نہیں۔ اور پارلیمنٹ یہ فیصلہ کر دے کہ اب یہ سیکولر اسٹیٹ ہے۔ اس طرح تو پھر ملک کی بنیادیں ہی ہل جائیں گی۔ وہاں بھی آپ کو قدغن لگانی ہوگی کہ کوئی پارلیمنٹ ان حدود کے اندر رہ کر وہ اپنے مسائل طے کرے گی۔ پھر پارلیمنٹ کو ہم نے یہ نہیں کہا کہ وہ انتظامی امور میں بھی بے دست و پا ہوگی۔ نہیں تمام ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنا تنفیذ کی ساری صورتیں سوچنا، پارلیمنٹ کو اس کا کلی اختیار حاصل ہوگا۔ اس کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین کا نفاذ ہے اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو پارلیمنٹ کو حاصل رہے گا۔ تجارت کے امور ہیں، داخلی اور خارجی سیاست اور بیرونی ممالک سے تعلقات اور اسی طرح ہزاروں شعبے اور مسائل ہیں جن کے مسودے پارلیمنٹ کے سامنے آتے رہیں گے اور اس پہ کوئی قدغن اس بل کی وجہ سے عائد نہیں ہو سکے گی۔

شریعت کے بنیادی مآخذ اور ترجیحات

پھر جناب والا ہم نے عدالت کو اسلامی قوانین کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے اس کی حدود مقرر کر دی ہیں کہ وہ کن چیزوں کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ اس کی ترجیحات بھی ہم نے متعین کر دی ہیں کہ کسی عدالت کے سامنے ترجیحی ترتیب کیا رہے گی۔ اس میں ہم نے لکھا ہے کہ بنیادی چیز قرآن وسنت کو ملحوظ رکھ کر وہ فیصلہ کرے گی۔ پھر اس کے بعد ہم نے اس بل میں اجماع اور قیاس کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ چاروں چیزوں کی حیثیت ایک جیسی ہے ہم نے ترجیحی بنیاد پر کہ پہلا نمبر قرآن کا ہے۔ دوسرا نمبر سنت کا ہے تیسرا نمبر اجماع کا ہے۔

۔چوتھے نمبر پہ قیاس ہے جسے اجتہاد کہا جاتا ہے یہ چاروں چیزیں خود قرآن کریم نے متعین کر دی ہیں ۔

قیاس اور اجتہاد

قرآن نے خود قیاس کو اجتہاد کو بھی مآخذ قانون بنایا ہے ۔ اجماع کو بھی ماخذ قانون بنایا ہے ۔ سنت کو بھی ماخذ قانون بنایا ہے ۔ ہم نے یہ چاروں چیزیں رکھ کر قرآن و سنت کی خلاف ورزی نہیں کی ہے ۔ بلکہ اس کے مطالبات اور تقاضے پورے کئے ہیں ۔ اگر کوئی سنت کو رکھتا ہے تو سارا قرآن کہتا ہے کہ سنت بھی قرآن کی طرح تشریعی حیثیت رکھتا ہے ۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نہاکم عنہ فانتہوا (الآیۃ)

اور پھر ایسے ہی سینکڑوں آیات آپ کے ذہن میں ہوں گے ۔ کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی سنت کو بھی وہی تشریعی حیثیت اللہ نے دی ہے ۔ پھر خدا نے خود کہا ہے کہ

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔

کہ کسی معاملہ میں آپ کی رہنمائی نہیں ہو سکتی تو اہلیت والے صلاحیت والے حضرات سے پوچھا کرو ۔ پھر حضور اقدس ص نے خود اس کو واضح کیا اور حضرت معاذ بن جبل رض کو یمن بھیجتے ہوئے کہا کہ :

تمہیں میں اپنا نائب اور نما صدینا کے بھیج رہا ہوں ۔ اور جج بنا کر بھیج رہا ہوں ۔ آپ کس چیز پہ فیصلہ کریں گے انہوں نے کہا ۔ کتاب اللہ کو سامنے رکھ کر فیصلے کروں گا ۔ پھر پوچھا کہ اگر کتاب اللہ میں آپ کو وہ چیز نہ ملے وہ موجود نہ ہو یا آپ کا ذہن وہاں تک نہ پہنچ سکے ۔ پھر فیصلے کس چیز کی روشنی میں کرو گے ۔ انہوں نے کہا سنت ۔ سنت رسول ص کو سامنے رکھ کر فیصلے کروں گا ۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ان دو ماخذوں میں آپ کو کوئی مسئلہ نہ ملے ۔ معلوم ہو گیا کہ ہر چیز صرف قرآن و سنت سے ہمیں نہیں مل سکتی ۔ اس میں ہزاروں چیزیں ہوں گی لیکن ہمارا ذہن ان تک وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا ۔ تو وہاں معاذ بن نے کہا کہ اجتہد برائی کریں اجتہاد کروں گا ۔ قرآن و سنت میں اگر ہو تو پھر اجتہاد نہیں کروں گا ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ ۔

الحمد للہ کہ جس نے اپنے رسول ص کے قاصد کو صحیح اور حق بات کہنے کی توفیق دی ۔ اور اس نے صحیح کہا ۔

اجتہاد اور شریعت بل

اب ہم نے اجتہاد کی گنجائش رکھی ہے ۔ اس بل میں اور قیاس کے الفاظ میں اس کی تعبیر کی گئی ہے اگر ہم یہ گنجائش نہ رکھتے تو پھر یہ طوفان اٹھایا جاتا کہ دیکھئے مولوی لکیر کا فقیر ہے کہ وہ ہمیں اجتہاد سے روکتا ہے اور اجتہاد کا دروازہ تو بند نہیں ۔ خدا اور رسول ص نے کھلا چھوڑا ہے اب مولوی ہمیں بالکل جمود اور تعطل میں ڈالنا چاہتا ہے ۔ اجتہاد کا بھی دروازہ بند کر دیا ۔ یہ طوفان اٹھتا ۔ اب جب ہم نے صحیح اسلامی تعلیمات اور حالات کی روشنی میں کہ قیامت تک یہ دین اٹل ہے اور ہزاروں لاکھوں

مسائل ایسے پیش آسکتے ہیں جن کا قرآن و سنت میں صراحتاً ذکر نہ ہو۔ اور یہ اسلام قیامت تک چیلنج ہے اس کے لئے اجتہاد ضروری تھا اور اجتہاد کے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے تھے تو پھر یہ طوفان اٹھایا گیا کہ انہوں نے قرآن و سنت پر اکتفا نہیں کیا اس میں انہوں نے اجتہاد کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگرچہ یہ مشکل والا معاملہ ہے۔ پھر یہ ضرور ہے کہ جب یہ اصطلاحات یہاں آگئے ہیں تو سب سے بڑا پیچیدہ مسئلہ اجتہاد کا بنا دیا ہے۔

اجتہاد اور متضاد انتہاپسندانہ رویئے

اجتہاد کے بارے میں بھی آپ کے چند قیمتی منٹ لوں گا کہ اس کا تمام چیزوں سے بنیادی تعلق ہے۔ اجتہاد کے بارے میں معاشرے میں انتہائی متضاد قسم کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور کوئی ایک انتہا پر جاتا ہے کوئی دوسری انتہا پر۔ اس میں معتدل راستہ لوگوں کے سامنے عموماً چھپ جاتا ہے۔ کبھی تو اجتہاد کی تعبیر ایسی کی جاتی ہے کہ اجتہاد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قطعاً کسی کو حق نہیں ہے یہ ایسی انتہا ہے جو جمود و تعطل ہے۔ اور ایک ایسے دین کے ساتھ جو تا قیامت جامع آفاقی اور ہمہ گیر ہے اس کے ساتھ ایسی بات کرنا مذاق ہے۔ پھر اجتہاد کی دوسری تعبیر یہ کی جاتی ہے کہ اس میں کھلی آزادی ہے۔ جیسے کوئی چاہے اپنی عقل اور رائے کے مطابق بغیر کسی قدغن و حدود کے فیصلہ کر دے۔ ایسا کرنا تحریف اور الحاد کی طرف لے جاتا ہے نہ وہ اجتہاد کے بارے میں صحیح رائے ہے نہ یہ اجتہاد کے بارے میں صحیح رائے ہے۔

اجتہاد کے نام پر تحریف والحاد

آپ کو معلوم ہے کہ تاریخ میں کتنا بڑا ظلم اجتہاد کے نام سے اسلام کے ساتھ ہوا ہے تاریخ میں ہمیشہ اسلام کو مسخ کرنے کی کوشش اس اجتہاد کے ذریعہ کی گئی جس کا انتہائی غلط معنی لیا گیا۔ فرق باطلہ کا آغاز قرامطہ باطنیہ معتزلہ و خوارج اور الملل والنحل جس میں فرق باطلہ کی ساری تاریخ مرتب ہوئی ہے۔ وہ ساری تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اس غلط اجتہاد کا سہارا اور آڑ لے کر لوگوں نے کس کس طرح قرآن و سنّت کے ساتھ مذاق کیا۔ اور تحریف کا راستہ کھولا گیا۔ حالاں کہ اجتہاد ایک دو دھاری تلوار کی طرح ہے کہ وہ حفاظت جان کا بھی ذریعہ بن سکتا تھا اور دوسروں کی ہلاکت کا ذریعہ بھی۔ اجتہاد کا معاملہ بالکل پل صراط جیسا نازک ہے۔ کہ وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس پر چلیں گے تو اس جہنم اور ان مشکلات کو عبور کر کے پہنچ جائیں گے آگے اور ذرا بھی بے احتیاطی کی تو نیچے جہنم کے گڑھے میں پہنچ جائیں گے۔

آپ دیکھئے اس ملک میں ہمارے ایک بہت بڑے دانشور نے جس کے مضامین چھپتے ہیں جس کی بڑی شہرت ہے اس ملک میں اس نے کہا کہ السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما اس نے اجتہاد کیا۔ اس کا معنی تو یہ ہے کہ چور مرد اور چور عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔ قطع ید کی سزا دو۔ اور یہ واضح الفاظ تھے۔ سارق کا معنی بھی معلوم تھا اور قطع ید کا مفہوم بھی واضح۔ لیکن نیشنلائزیشن کا زمانہ تھا سوشلزم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اس دانشور نے کہا کہ السارق والسارقة سے مراد سرمایہ دار مرد اور سرمایہ دار عورت ہے۔ اور فاقطعوا ایدیھما سے مراد یہ ہے کہ اس کے

کارخانوں کو اس کی صنعتوں کو چھین لو۔ اس کے ہاتھ اس سے کٹ گئے۔ عجیب کہ اس کی یہ تعبیر چودہ سو سال میں اس سے پہلے کہیں کی گئی تھی۔ یہاں ہمارے ایک بہت بڑے دانشور نے جو اب وفات پا چکے ہیں اور سنت کے منکر تھے اور اجتہاد کے بڑے علمبردار تھے۔ اس نے کہا۔ یسئلونک عن المحیض۔ قل ھو اذیً اب یہ ظاہر بات ہے سب حضرات علماء و فضلاء ہیں محیض سے کیا مراد ہے کہ ماہواری کے ایام میں جو تکلیف ہوتی ہے خواتین کو اس حالت میں اللہ تعالیٰ حکم بیان کرتا ہے کہ اس حالت میں معاملات اور تعلق کیسا رہے گا۔ اللہ نے کہا کہ یہ بیماری کے ایام ہیں اس میں دور رہنا چاہیئے۔ مگر اس شخص نے یوں ترجمہ کیا کہ

یسئلونک عن المحیض کہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں کیونکہ بینکنگ سسٹم کی وجہ سے وہ ساری دولت جمع ہو جاتی ہے اور اکتناز دولت ہوتا ہے اور محیض کا معنی جمع کرنے کی جگہ۔ تو یہ بینکاری سسٹم اور سارا قل ھو اذیً یہ لعنت ہے اور غلط ہے۔ اس کو ختم کر دو۔ اور کمیونزم کو اس ملک میں نافذ کر دو۔ یہ غلام احمد پرویز تھا اس پر کئی صفحے سیاہ کئے ہیں۔ ان کی تفسیر میں اس کا ترجمہ یہ ہے۔

جناب چیئرمین۔ مولانا اس لئے کہا گیا ہے کہ ؎

ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

مولانا سمیع الحق۔ پھر ہمارے یہاں ایک اور روشن خیال آ گئے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن۔ پورا ادارہ تحقیقات اسلامی اس غلط اجتہاد کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس نے کہا یہ سارا رائج سود جائز ہے اور قرآن میں ہے کہ لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ کہ سود کو چند در چند، دوگنا، سہ گنا، چہار گنا مت کھاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سود مرکب حرام ہے۔ اور سود مفرد سارا حلال۔ اس نے کہا کہ قرآن پاک میں ہے کہ کوئی عورت عفت چاہتی ہو تو اس کو فحاشی پہ مجبور مت کرو لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا۔ اور اگر کوئی عورت فحاشی کو پسند کرتی ہے اور وہ بازار حسن میں بیٹھنا چاہتی ہے اور وہ عفیفت رہنا نہیں چاہتی تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کو روکے۔ اب اس قرآن کریم کی آیات سے اس نے شراب کو حلال کر دیا۔ سود کو بھی، زنا کو بھی۔ اور اس نے کئی مضامین لکھے تھے کہ اس وقت جو شراب بیئر وغیرہ چل رہی ہے یہ وہ ساری شراب نہیں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔ یہ حلال ہے۔ اس طرح مغربی تہذیب کی جتنی خرابیاں اور لعنتیں مسلم معاشرے میں موجود ہیں اس کے لئے مستشرقین نے اور جو متجددین ہیں اور ماڈرن ازم کے علمبردار ہیں انہوں نے اجتہاد کا سہارا لیا اور ان ساری چیزوں کو مباحات کا درجہ دے دیا۔ خواہ وہ رقص و سرود تھا یا تصویر کا مسئلہ۔ ان تمام چیزوں کو حلال قرار دیا۔

اجتہاد کے بارہ میں غلط رویہ

اس لئے ہمیں اجتہاد کے مسئلے کو اس طرح کھلا نہیں چھوڑنا ہو گا۔ کہ ان سے مکمل

جس طرح انسان چاہے اجتہاد کر دے۔ پھر اجتہاد کے بارے میں یہ رائے کہ عقل اور رائے میں جو بھی فیصلہ آجائے وہ کر دو۔ اس قسم کی تعبیر کسی کے ہاں بھی مسلمانوں کے دور میں نہیں رہی۔ کہ ہر مسئلے میں اجتہاد کیا جائے گا۔ یہ تو معاذ ابن جبل رض کی اس حدیث میں واضح ہے کہ قرآن وسنت میں اگر کوئی چیز نہ ہو تو اس معاملے میں اجتہاد کر سکتے ہیں اگر کوئی ایسی بات تھی کہ ہم کو ہر معاملے میں عقل وانصاف اور رائے کے مطابق کھلی آزادی ہوتی اور ہم فیصلے دے سکتے اور اس کے مطابق ہم جس طرح چاہتے اس پارلیمنٹ میں قانون بنا لیتے تو پھر تو انبیاء کرام کی بعثت کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو ہر دور میں وحی اتارنے کی ضرورت ہوتی۔

○ مولانا کوثر نیازی۔ پوائنٹ آف آرڈر

○ جناب چیئرمین۔ جی مولانا صاحب۔

○ مولانا کوثر نیازی۔ جناب والا مجھے مولانا سمیع الحق صاحب کی وسعت علم کا اندازہ ہے اور میں ان کا بڑا معترف ہوں مگر اب تک جتنی مثالیں انہوں نے پیش کی ہیں وہ تفسیر بالرائے کی مثالیں ہیں غلط اجتہاد کی انہوں نے کوئی مثال پیش نہیں کی۔ وہ اگر غلط اجتہادات کے بارے میں بھی روشنی ڈالیں تو شاید زیادہ مناسب ہوگا۔

○ جناب چیئرمین۔ مولانا سمیع الحق صاحب۔

مولانا سمیع الحق۔ تفسیر بالرائے کی علماء نے یہی تعبیر کی ہے اس کو تحریف بھی کہتے ہیں اور الحاد بھی یہی اجتہاد ہے کہ تفسیر کئے بغیر اس کے آگے پیچھے سیاق وسباق کاٹ کر عربی لغتوں کو دیکھ کر موضوع کو سامنے رکھ کر یا اس طرح مختلف طریقوں کو سامنے رکھ کر اجتہاد کر لیتے ہیں اگر وہ تفسیر بالرائے ہے یا الحاد ہے یا تحریف ہے تو اسے ہم اجتہاد کہیں گے اجتہاد کا معنی ہے کہ کسی جدوجہد کے ذریعے ایک چیز تک پہنچنا اس پر ذہنی اور فکری صلاحیتیں لگانے کے بعد کسی ایک نکتہ پہ پہنچنے کو اجتہاد کہتے ہیں۔

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ پھر انبیاء کرام کتاب وسنت اور اسلامی تعلیمات کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔ بلکہ اللہ نے واضح طور پر کہا ہوتا کہ بس انسانوں کو میں نے پیدا کیا ہے اور اب جس معاملے میں ان کی رائے اور عقل فیصلہ دے دے تو اس کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو مذہب کی پابندیوں کی وحی اور تعلیمات الہٰی کی پابندیوں کی ضرورت ہی نہ تھی۔

نئے اجتہاد کے نام سے چودہ سوسالہ ذخیرہ اور عظیم سرمایہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

اس کے علاوہ اجتہاد کے بارے میں ایک دوسرا تاثر یہ ہے یہ پہلے کی طرح تو نہیں ہے کہ بالکل انہیں کھلی چھٹی ہے کہ قرآن وسنت کو بھی بالکل سامنے نہ رکھیں اور اجتہاد کریں لیکن اجتہاد کے بارے میں دوسرا تاثر رکھنے والوں کا پھر بھی یہ خیال ہے کہ گویا قرآن آج پہلی بار ہم پہ نازل ہوا ہے اس کے معنی متعین کرنے کے بارے میں اس کی تعبیرات اور تشریحات کر لیں گے؟ ایسا بالکل نہیں ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے پہلے شاگرد اور قرآن و سنت کے پہلے مخاطب تھے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی تعبیرات و تشریحات متعین کیں۔ پھر خلفائے راشدین نے متعین کیں۔ پھر تابعین نے ساری زندگیاں تحصیل علم کے لیئے وقف کیں۔ ان صلاحیتوں کو حاصل کرنے کے لیئے انہوں نے کیا کیا ریاضتیں کیں۔ یہ پوری تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ انہوں نے روکھی سوکھی کھائی۔ ننگے بھوکے رہے۔ چٹائیوں پر ساری زندگیاں گذاریں۔ حضورؐ کے زمانے میں جو تعلیمات آئی تھیں اس کی تشریح میں دھ لگے رہے۔ پھر فقہاء امت نے اس پر بڑی محنتیں کیں۔ ان چودہ سو سالہ محنتوں کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا ذخیرہ اجتہادات کا رکھ دیا۔ اب اگر کوئی مسئلہ سامنے آئے گا اور ہم کہیں گے کہ سارا چودہ سو سالہ ذخیرہ سے صرف نظر کریں۔ اس طرح کا تو اپنی تاریخ ثقافت اور کلچر کے ساتھ کسی قوم نے ایسا ظلم نہیں کیا ہوگا۔

رائج الوقت قوانین کا دفاع کرنے والے دقیانوسیت میں مبتلا ہیں

جناب والا! از سر نو فقہ کو ادھیڑ کر بیٹھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری چودہ سو سال کی پرانی محنتیں ضائع ہوگئیں۔ اور ہم پھر چودہ سو سال پیچھے چلے جائیں۔ اسی کو رجعت قہقری کہتے ہیں اسی کو دقیانوسیت کہتے ہیں جس کا طعنہ علماء کو دیا جاتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو تو اس بات کا بڑا غم ہے کہ سو سال موجودہ تعبیرات پر محنتیں ہوئیں اور فیصلے عدالتوں نے کیئے ہیں اور وہ تمام ذخیرے جو سو سال کی محنت سے تیار ہوئے وہ ہم سے ضائع ہوگئے حالاں کہ وہ سو سالہ محنتیں ایک غیر مسلم قوم کے قانون پر ہوئی تھیں۔ یعنی انگریز کے قانون پر۔ پھر چودہ سو سال تک اس تمام ذخیرے پر جو عظیم محنتیں ہوئی ہیں اس کا ہمیں کوئی دکھ نہیں ہوگا۔

ہماری اہلیت، ہماری صلاحیت، ہماری ذہانت، ہماری دیانت، ہمارا تقویٰ اور ہماری محنتیں، ہمارا علم، غرض یہ ساری چیزیں ان لوگوں کے برابر تو نہیں ہیں اگر وہ لوگ چودہ سو سال میں نہیں سمجھ سکے تو پھر اسلام کو تو لپیٹ کر کے بالائے طاق رکھنا چاہئے کہ چودہ سو سال سے اس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیئے ہم آج نئے سرے سے بیٹھ کر اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

جناب والا! بہر حال اسلام میں اجتہاد ہے۔

پروفیسر خورشید احمد۔ جناب والا! پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب چیئرمین: پروفیسر خورشید احمد

پروفیسر خورشید احمد۔ میں مولانا صاحب کی فاضلانہ تقریر کو انٹرپٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرا رہا ہوں کہ ہم اس وقت ایک نہایت ہی اہم موضوع پر بحث کر رہے ہیں لیکن اس وقت ایک بھی باقاعدہ وزیر ایوان میں موجود نہیں ہے جس سے کہ گورنمنٹ کی کم از کم ٹوکن نمائندگی ہو۔ یہ معاملہ افسوسناک ہے مولانا صاحب اپنی تقریر جاری رکھیں۔

مولانا سمیع الحق ۔ تو حضور والا ! اجتہاد کی گنجائش ہے ۔ اب اس کی صورت کیا ہے ۔ ایک مسئلہ ہمارے سامنے آئے گا تو یہ دیکھا جائے گا کہ جن چیزوں کا حل قرآن و سنت میں واضح طور پر طے کیا گیا ہو گا اور وہ موجود ہو گا اس کے بارے میں ہم اجتہاد نہیں کریں گے ۔ مثلاً زکوٰۃ ہے ۔ صلاۃ ہے اور حج ہے وغیرہ ۔

جناب چیئرمین ! ایک منٹ ۔ پروفیسر خورشید احمد کے پوائنٹ آف آرڈر کا یہ فائدہ تو ہوا ایک باقاعدہ وزیر بہ نفس نفیس ہاؤس میں تشریف لے آئے ہیں ۔

جناب عبدالرحیم میرداد خیل ۔ وزیر مذہبی امور تو ایوان میں موجود نہیں ہیں ۔

جناب چیئرمین ! اس کا تعلق وزیر قانون ہی سے ہے ۔

مولانا سمیع الحق ! جناب والا ! میں بھی عرض کروں گا کہ مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ جناب وسیم سجاد صاحب (وزیر انصاف و قانون) ایوان میں موجود نہیں ہیں اگر وہ اتنے اہم موضوع پر تقریر کے وقت ایوان سے چلے گئے تھے تو میں بھی اس پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ میں مطمئن تھا کہ چلئے ! وزیر قانون تو ہاؤس میں موجود ہوں گے ۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ اگر صبح کا بھولا ہوا شام کو واپس گھر آیا ۔۔۔۔

اجتہاد کے حدود و قیاس

تو جناب والا ! جس چیز کا حل قرآن و سنت میں موجود ہو اس کے بارے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا ۔ آج زکوٰۃ کے معنی کے بارے میں کوئی نئی شے مقرر نہیں کر سکتا ۔ اور نہ ہی اس میں کوئی کمی بیشی کر سکتا ہے اسی طرح صلاۃ کے معنی متعین کرنے میں کوئی اجتہاد نہیں کر سکتا ۔ یہ قطعیات دین ہیں یا اس کو ضروریات دین کے عنوان سے علمی اصطلاح میں تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح حج اور قربانی اور صدقات الفطر یہ ساری چیزیں واضح ہیں اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ فقہاء ، صحابہ کرام اور فقہاء امت کی آراء اس کے بارے میں کچھ ہیں کہ نہیں اگر یہ ساری چیزیں سامنے آتی ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملتا ۔ مثلاً آج ہزاروں مسائل سامنے آ گئے ہیں آنکھوں کا عطیہ ہے ۔ خون کا مسئلہ ہے اور ٹیوب بے بی وغیرہ ۔ اس قسم کی کئی چیزیں سامنے آ رہی ہیں ان کے بارے میں ہم نے قرآن و سنت فقہا کے اصول اور مصطلحات جو ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر حدود و قیود میں رہتے ہوئے ان مسائل کو حل کرنا ہے اور شریعت کی اصل مراد کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی ۔ اور اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا اس صورت میں ہمیں اجتہاد کا حق حاصل ہے ۔ اس کا دروازہ کسی نے بند نہیں کیا ۔ جو دروازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا ہے ۔ اس کو کوئی بند نہیں کر سکتا ۔

ہر معاملہ میں فن اور اہلیت ملحوظ رہتی ہے

لیکن اجتہاد کے لئے لازمی بات ہے کہ اس کے لئے اسلامی ماہرین ہوں جیسے ہر فن کے لئے اہلیت اور فنی صلاحیت ملحوظ رکھی جاتی ہے جیسے طبیب کے لئے طب اور میڈیکل سائنس میں ماہر ہونا ضروری ہے ۔

آپ کسی بڑھئی کو یا کسی اور فن کے مستری کو چاقو یا قینچی ہاتھ میں نہیں دے سکتے کہ آیئے! ذرا مریض کے پیٹ میں درد ہے یا اس کے دل میں نقصان ہے آپ اس کا آپریشن کر لیں آپ کہیں گے کہ اہلیت والوں کو دکھائیں۔ اسی طرح قانون کی تعبیر کرتے ہوئے آپ وکیل سے رجوع کریں گے۔ یہ نہیں ہوتا کہ آپ کسی انجینئر کو بلائیں اور اس سے کہیں کہ آپ اس مقدمہ میں آپ پیروی کریں تو جب انجینئرنگ میں انجینئر اور طب میں طبیب اور قانون کی تعبیر کے لئے جج اور وکیل کی اہلیت ضروری ہے تو اسلام کی تعبیر اور اسلامی قوانین کے بارے میں رائے کا اظہار اور اجتہاد کرنا بہت بڑی بات ہے اس کے لئے بھی لازماً مطلوبہ اہلیت اور صلاحیت اور یہ ساری چیزیں ہم نے ملحوظ رکھنی ہوں گی۔ اگر وہ مطلوبہ مہارت اور صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے تو اس کو اجتہاد کا حق حاصل ہوگا۔

اجماع اور قیاس

اسی طرح ماضی میں جو اجتہادات کئے گئے ہیں ہم دیکھیں گے کہ انہوں نے قرآن و سنت کو سامنے رکھا ہے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ اب بھی اس مسئلے میں وہی اسباب ہیں اور وہی مقتضیات ہیں، وہی علل ہیں اور مقیس اور مقیس علیہ ایک ہے اور جو چیز ان میں قدر مشترک ہے اسباب کا وہ بھی ایک ہے اور اس پر انہوں نے ایک فیصلہ کیا ہے اگر پوری امت نے اور اکثریت نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے ائمہ اربعہ اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں تو ہم اس کو اجماع کہیں گے۔ کہ انہوں نے اجتماعی اجتہاد کیا۔ اب اجتماعی اجتہاد کے نتیجے میں ایک فیصلہ ہمارے سامنے آیا جس کی تعبیر ہم اجماع سے کرتے ہیں ہم اجماع سے پھر ادھر ادھر نہیں ہٹ سکیں گے ساری امت کے اکابر اور اہلیت رکھنے والے وہ تو غلطی پر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کے دلائل ہم نے دیکھے ان کے ماخذ کو ہم نے جانچا ان کے اسباب اور مقتضیات اور علل کو ہم نے پرکھا پھر یہ ہماری ڈھٹائی ہوگی کہ ہم کہیں کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہونے کے باوجود ہم کہیں کہ ہم ان سب کو مسترد کرتے ہیں۔ اگر وہ فیصلے انفرادی ہوں گے تو پھر ان کو مسلمہ فقہا کے اجتہادات اور تعبیرات جس کا ذکر شریعت بل میں ہے تو ہم نے انفرادی فیصلوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور اجتماعی فیصلوں کو بھی۔ ایک کی تعبیر اجماع سے کی گئی ایک کی تعبیر قیاس سے کی گئی اور قرآن و سنت نے خود ان چیزوں کو ملحوظ رکھا تھا تو ہم نے اس شریعت بل کی دفعہ ایک میں تعریف میں قرآن و سنت سے کوئی حکم عدولی نہیں کی۔

بل میں ہم نے تحریف کا راستہ بند رکھا اجتہاد کا نہیں

اور اگر ہم صرف قرآن و سنت رکھیں گے تو آگے ہم بالکل نہیں چل سکیں گے اور تفسیر بالرائے کا جیسے مولانا نے فرمایا اور تحریف کا اور الحاد کا دروازہ کھل جائے گا ہم نے اس الحاد کے دروازے کو کھولنا نہیں تھا اور امت کو مسائل اور انتشار اور بحرانوں میں ڈالنا نہیں تھا اور امت کو اباحیت اور مغربیت کی طرف جانے سے روکنا تھا۔ تو ہم نے شریعت بل میں تحریف کا راستہ بند کیا لیکن اجتہاد کا راستہ ہرگز بند نہیں کیا۔

شریعت بل اور فرقہ واریت کا پروپیگنڈہ

میں ان تفصیلات میں — زیادہ تفصیلات چھوڑتے ہوئے

دوسرے نقطے کی طرف آتا ہوں کہ پورے ملک میں یہ کہا گیا کہ شریعت بل سے فرقہ واریت پھیلے گی۔ اور شریعت بل سے انتشار پیدا ہو جائے گا اور آپس میں جو جھگڑے ہیں وہ اور بھی بڑھ جائیں گے۔ حالاں کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ شریعت بل کے نفاذ سے فرقہ واریت ساری ختم ہو جائے گی اور شریعت بل سے کوئی فرقہ واریت نہیں پھیلے گی اسے بدقسمتی سے جان بوجھ کر متنازعہ بنا دیا گیا ہے۔ اور اس کو ہوا دی گئی کہ یہ فلاں فرقے کے خلاف ہے فلاں فرقے کے خلاف ہے۔ اور مجھے ایسی صورتیں اور ایسی کوششیں معلوم ہیں کہ بریلویوں کے پاس جا کر کہا گیا کہ یہ تو وہابیوں کا بل ہے۔ اور وہابیوں کے پاس جا کر کہا گیا کہ یہ تو جماعت اسلامی کا بل ہے اور منصورہ برانڈ ہے اس سے مودودی ازم آ جائے گا۔ اس طرح چاروں مکاتبِ فکر میں ہر جگہ جا کر ان کو بھڑکایا گیا اور کسی نے دیکھے پڑھے اور سوچے بغیر ہنگامہ کر دیا۔ کہ اچھا اس میں یہ ہے۔ کسی کو کہا گیا کہ اس سے مزارات مٹا دئے جائیں گے کسی کو کہا گیا کہ اس سے فلاں مسئلہ ختم ہو جائے گا کسی کو کہا گیا کہ اس سے یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔

حالاں کہ آپ خود شریعت بل کو دیکھیں اور سب فاضل ممبران کے سامنے ہے اس میں کوئی بھی دفعہ ایسی نہیں جس میں کسی بھی مکتبِ فکر کے مسلمانوں کے معتقدات کو چھیڑا گیا ہو ان کے نظریات پر قدغن لگائی گئی ہو یا ان کے جو معمولات رسومات اور روایات ہیں اس کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ہو۔

شریعت بل اور خواتین

یعنی عورتوں میں جا کر کہا گیا کہ اس سے آپ کے حقوق سلب ہو جائیں گے۔ آپ خود دیکھیں کہ ان کے متعلق شریعت بل میں کوئی ایک نقطہ ایک حرف کوئی ایک سطر بھی نہیں ہے جس میں قرآن اور سنت اور اجماع اور قیاس، ذرائع ابلاغ مقننہ اور انتظامیہ کا ذکر ہے۔ اب انہوں نے تفصیلات دیکھے بغیر جلوس نکالنے شروع کر دئے۔ بھئی! کوئی اور بل ہوگا تو اس کے بارے میں کوئی اور بات ہوگی۔ شریعت بل سے حقیقت میں تو سارے طبقوں کو حقوق مل جائیں گے۔ اور عورتوں کا فرش سے عرش تک مقام اونچا ہو جائے گا۔ لیکن پھر اس بل میں ان کا کسی جگہ ذکر ہی نہیں ہے۔ کسی دفعہ سے ان کے نکاح طلاق، عدت میراث وغیرہ کسی مسئلے پر زد ہی نہیں پڑتی کون سی بات جائز کون سی نا جائز یہ تو پھر آگے جا کر دیکھا جائے گا کہ وہ جائز ہے یا نا جائز ہے۔ شریعت بل نے جزئیات کو چھیڑا ہی نہیں ہے اور نہ عورتوں کے متعلق کسی خاص اصولی حکم کو چھیڑا گیا ہے لیکن ان بے چاریوں کو بھی جا کر کہا گیا کہ یہ تو تمہیں تباہ کر رہے ہیں اور تمہارے حقوق سلب ہو جائیں گے۔ اور تم مصیبتوں میں پڑ جاؤ گی۔

شریعت بل پر استصواب رائے بھی متنازعہ بنانے کے لئے تھا

اسی طرح ایک ایک طبقۂ فکر میں جا کر اس کو اچھالا گیا۔ اور اس کو متنازعہ بنایا گیا حالاں کہ یہ تو بالکل سیدھا اور صاف ستھرا بل تھا جس میں کوئی الجھی ہوئی مبہم اور کوئی پیچیدہ اور کوئی منطقی اصطلاحات اور وہ چیزیں نہیں تھیں۔ ساری امت کو صاف صحیح اسلام کی سمت پر ڈالنا اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش تھی لیکن یہاں اس سلسلہ میں پھر الوان

بعض دوستوں نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ اس کو استصواب کے لئے پیش کر دیا جائے۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ استصواب رائے کے ذریعے اس کو بالکل متنازعہ بنا یا جائے اور یہ بل سب سے بڑا الجھا ہوا سامنے آجائے ہم کہیں گے کہ اس پر تو لوگ بالکل متنازعہ ہیں۔ حالاں کہ بات اگر صرف شریعت کی تھی اور شریعت کے نفاذ کی تھی تو اس کے بارے میں ہمارا حق ہی نہیں تھا کہ قوم سے پوچھتے کہ آپ شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر خدانخواستہ ایک مسلم معاشرہ میں سارے کے سارے لوگ کہہ دیں کہ ہم نہیں چاہتے تو کیا ہم اسلامی قانون کے بنیادی اور اساسی نظریات سے دست بردار ہو جائیں گے۔

حکومت کو طے شدہ اسلامی استصواب کا حق ہی نہیں نہ قوم کا کوئی غلط فیصلہ قابل تسلیم ہے

آج اگر پوری قوم کہے گی کہ ہم سرخ انقلاب کا استقبال کرتے ہیں تو کیا آپ قوم کی یہ بات مانیں گے؟ آج اگر قوم کہے کہ ہم سوشلزم کے لئے تیار ہیں تو آپ مانیں گے؟ آج اگر سیکولرازم کا کوئی نعرہ لگائے کوئی کنفیڈریشن کا نعرہ لگاتا ہے کوئی علیحدگی، اور صوبائیت اور لسانی اور علاقائی عصبیت، اگر پوری قوم اس کے متعلق رائے دے تو کیا ہم کہہ دیں گے کہ ہاں یہ ٹھیک ہے قوم نے فیصلہ کر دیا ہے۔ نہیں ہم قوم کا وہی فیصلہ مانیں گے جو اس ملک کی بنیادوں سے ہم آہنگ ہو اس ملک کے قیام کے وقت جس مقصد کے لئے قربانیاں دی گئی ہیں اس کو ختم نہ کریں۔ اس کی سالمیت پر ضرب نہ آئے۔ تو اگر پوری قوم کہہ دیتی کہ ہم شریعت کا نفاذ نہیں چاہتے پھر بھی اس حکومت کا یہ حق نہیں تھا کہ قوم کے اس فیصلے کو تسلیم کرتی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حق ہی نہیں دیا کہ اسلام کو قبول کرنے یا نہ کرنے، نافذ کرنے یا نہ کرنے میں ان کو اختیار رہو۔ تو ہم نے اس استصواب کے ذریعہ اس مسئلے کو اور متنازعہ بنانے کی کوشش کی۔

قوم نے بار بار رائے دیدی ہے

حالاں کہ قوم نے تو رائے دے دی تھی تو نے قیام پاکستان کے وقت عظیم قربانیاں دے کر کہا تھا کہ ہمیں شریعت کے نفاذ کے لئے ملک چاہئے۔ پھر ایک دو سال قبل ریفرنڈم کے ذریعہ قوم نے رائے دیدی تھی کہ ہم اسلامی نظام اور نفاذ کے کام کی وجہ سے اس صدر کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ رہے۔ اور اس نے اپنا نام بھی نہیں لکھا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسلامی نظام میں پیش رفت چاہتے ہو یا نہیں، پوری قوم نے کہا ہاں چاہتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں پوری قوم نے بہت بڑی قربانیاں دے کر کہا کہ ہمیں اسلامی نظام چاہئے تو ہم قوم سے کب تک پوچھتے ــــ لیکن قوم پر آفرین ہے اور یہ تحسین کی مستحق ہے کہ ان ساری قربانیوں اور مشکلات سے گذرنے کے باوجود اور بار بار دھوکہ کھانے کے باوجود انہوں نے پھر بھی شریعت بل کے ریفرنڈم میں بڑھ چڑھ کر تاریخ میں انہوں نے ساڑھے گیارہ لاکھ، پندرہ لاکھ، سولہ لاکھ جیسے آپ نے بھی ابتدا میں سارے اعداد و شمار بیان فرمائے تھے۔ اتنی بڑی تعداد میں انہوں نے اس بل کے حق میں رائے دی۔ اور آپ نے فرمایا بھی تھا شاید پارلیمنٹ کی تاریخ میں کسی قوم نے ایک بل کے بارے میں اتنی بڑی تعداد میں ہاں یا نہ کی شکل میں رائے دی ہو۔ تو قوم نے اپنا حق ادا کر دیا۔

سیاسی مخالفین کی سیاسی مخالفت

لیکن ہم نے ان ساری آوازوں کو توچھوڑا۔ لیکن اگر کہیں دور سے کوئی خلاف آواز اٹھی تو ہمارے کان کھڑے ہوگئے کہ اچھا! وہ تو نہیں مانتا ہے اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو حکومت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ وہ اس حکومت کو جائز نہیں مانتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ حکومت متنازعہ ہے۔ تو ان کی مخالفت سیاسی مخالفت تھی وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ چھٹی کر کے گھروں کو چلے جائیں۔ اور ان کو حق ہی نہیں ہے کہ اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ اور یہ متغلبہ ہیں اور جبری تسلط سے آئے ہوئے ہیں۔ ان کی رائے یہ تھی۔ لیکن آپ نے ان کی اس بات پر دھیان نہیں دیا۔ اور کہا کہ وہ فلاں مولوی بھی نہیں مانتا ہے۔ کبھی وہ مولوی شریعت تو مانتا ہے شریعت بل مانتا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ میں اس حکومت کے ذریعہ، اگر یہ حکومت پورا قرآن بھی نافذ کردے تو میں تسلیم نہیں کرتا حالاں کہ یہ بات ان کی بے اعتدالی تھی۔ غلط تھی۔ قرآن وسنت کے مقابلے میں سیاست کو سامنے نہیں رکھنا چاہیئے تھا جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا اسلام پر تھا جو اٹھتے بیٹھتے اسلام کے نام پر اور کھانا پینا اسلام کے نام پر ہے ان کی سیاست کی دکان ساری اسلام کے نام پر چمکتی تھی۔ ان کو چاہیئے تھا کہ وہ شکر کرتے کہ چلو جس حکومت کے ذریعہ بھی ہو لیکن منزلِ مقصود تک کچھ پیش رفت ہو جائے۔ تو بات ان کی اصولاً غلط تھی۔

ہمیں سیاست سے نہیں شریعت سے سروکار ہے

اور یہ ایسی بات تھی جیسے یہود نے جو وحی کو نہیں مانتے تھے انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ وحی آپ کے پاس کون لے کر آتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام۔ انہوں نے کہا اچھا جبرئیل سے تو ہماری بڑی دشمنی ہے اور اگر میکائیل علیہ السلام یہ وحی لے کر آتے تو پھر ہم تسلیم کر لیتے لیکن جبرئیل لاتا ہے اس لئے ہم تسلیم ہی نہیں کرتے۔ مگر ہم نے کہا کوئی نان پارٹی سسٹم کی بنیاد پر حکومت ہو یا سیاسی بنیادوں پر حکومت آئی ہو یا مارشل لا کی کھوکھ سے جنم لینے والی حکومت ہو ہمیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم نے اس لئے تو بائیکاٹ کی ساری اپیلیں مسترد کر دیں اور اس لئے ہم نے اس حکومت کو ایک بار پھر موقعہ دیا اور اس لئے ریفرنڈم میں ہم نے ضیاء الحق کو ہاں کہہ دیا کہ انہیں تو اسلام چاہیئے تھا تو یہ ۹۵ فیصد لوگ ان جھنجھٹوں میں نہیں تھے لیکن سیاست والوں کی سیاست کی دکان پھر بند ہو جاتی۔ انہوں نے شور مچایا کہ یہ بل نہیں منظور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ متنازعہ اسمبلیاں ہیں۔ حالاں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلط تھا۔ یہ متنازعہ نہیں تھیں مگر اپنوں نے بھی ہمیں ادھر سے چھرا گھونپ دیا اور اس حکومت نے بھی یہ کیا کہ ان کی اور ساری باتیں تو چھوڑ دیں اور یہاں اس ایوان میں بہت سے لوگوں نے یہ کہا کہ فلاں مولوی نے مخالفت کی ہے بھائی! فلاں مولوی تو تمہارے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتا اس لئے یہ مخالفت تو "لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ" والی بات ہوئی۔ یہاں وانتم سکاریٰ کو چھوڑ دیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ نشے کی حالت میں نماز کے مت قریب ہونا۔ ہم نے نشے والی بات تو چھوڑ دی اور شور مچایا کہ اللہ نے کہا ہے کہ نماز نہ پڑھو۔ یہ تو وہی صورتِ حال ہوئی۔

بہرحال جان بوجھ کر اس مسئلے کو متنازعہ بنایا گیا اور اس سے ہرگز کسی فرقے کے حقوق پر زد نہیں پڑتی۔

ہر مکتب فکر کے مسلمہ علماء بل کے حق میں ہیں

اسی وجہ سے ملک کے جو مسلّمہ علماء ہیں آپ خوب سمجھتے ہیں کہ جو بکاؤ مال نہیں ہیں
جو ہر سرکار کے دربار میں ہاں میں ہاں نہیں ملاتے۔ جو درسیات وغیرہ سے گذرے ہوئے
ہیں جنہوں نے سیاست کو اپنا پیشہ اور کاروبار نہیں بنایا۔

کیا اور مل بیٹھے۔ آپ اہل حدیث جو غیر مقلد ہوتے ہیں ان کے جید علماء کو دیکھیں وہ اس بل کے حق میں ہیں۔ ان تمام علماء نے اس پر اتفاق
کے جو جید علماء ہیں جو آپ کی نظریاتی کونسل کے رکن ہیں وہ سب اس کے حق میں ہیں۔ بریلوی حضرات
نہیں ہے۔ آپ بریلویوں کو دیکھیں۔ اہلحدیث کو دیکھیں۔ دیوبندیوں کو دیکھیں۔ میں کہتا ہوں شیعہ حضرات نے بھی
اس کی مخالفت نہیں کی۔ (مخالفت میں بیان دینے والے) بھی ایسے ہی مولوی ہیں جنہوں نے سیاست کو کاروبار بنا رکھا
ہے۔ اسی طرح ان میں چند ہی نام ہیں جو سامنے آ رہے ہیں۔ مگر جو اصل مجتہد ہیں جو اصل ان کے علماء ہیں جو محقق ہیں جو سیاسی
ابھی لیڈر نہیں ہیں۔ ان کی طرف سے ان کی مخالفت میں کوئی بیان نہیں آیا اور جب ہماری سٹینڈنگ کمیٹی بیٹھی اور اقبال احمد
خان صاحب اس کے چیئرمین تھے تو ان کی طرف سے کچھ ہمارے سامنے تجاویز آئیں کہ ہم اس بل پر اس صورت میں خوش ہوں گے
ہم نے ان کی تجاویز کو دیکھا پرکھا اور ہم نے ان کے مشوروں کو اس میں ملحوظ رکھ لیا۔ پھر ایک ہفتہ بعد مجھے ان کے بڑے جید
علماء کرام کے ٹیلی گرام آئے ان کے خطوط آئے جو میرے پاس موجود ہیں کہ اب اس ترمیم کے بعد ہم اس بل پر خوش ہیں۔ اور ہم
اس پر متفق ہیں تو شریعت بل نے ایک بہت بڑی دینی قوت کو اور دین چاہنے والوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔
شریعت بل انتشار کا ذریعہ نہیں یہ اتفاق و اتحاد کا ذریعہ ہے۔ اور آگے چل کر امت کو بہت بڑی رحمتیں ملیں گی۔ اور اتحاد
کے راستے کھل جائیں۔

کسی قانون کے لئے پورے ملک کا اتفاق رائے ضروری نہیں

پھر دنیا میں کوئی ایسا بل آپ دکھائیں اس کو ہم تب منظور کریں گے جب اس پر
پوری مملکت کے شہری متفق ہوں اور اگر ان کو پسند نہیں ہے ناگوار ہے تو ہم
اس کو منظور نہیں کریں گے۔ یہ تو عجیب سا معاملہ ہوا۔ ہم ہیروئن کو بند کرنا
چاہتے ہیں۔ ہم منشیات کے دشمن ہیں۔ ہم رشوت ستانی کے خلاف ہیں۔ ملاوٹ کے بارے میں آپ قوانین بناتے ہیں تو
آپ ان لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ بھئی آپ سب کی کیا رائے ہے۔ آپ نے گدون میں پوست کی فصل کو تلف کیا وہ سارے
چیخ رہے تھے کہ ہمیں حکومت کی یہ کارروائی منظور نہیں ہے۔ لیکن آپ نے ملک و ملت کے مفاد میں جس چیز کو
سمجھا اسی کو کیا اور آپ کے نزدیک وہی کرنا چاہئے تھا اسی میں بہتری تھی۔ آپ جب بھی کسی معاملہ میں قانون بنائیں گے
تو کیا جرائم پیشہ اور تمام لوگوں سے کہیں گے کہ سب متفق ہو جاؤ۔ اس شریعت بل سے جن لوگوں کے مفادات پر ضرب پڑے
گی جاگیردارانہ سسٹم کو نقصان پہنچے گا۔ فحاشی بے حیائی پھیلانے والوں پر قدغن لگے گی تو وہ لوگ اس کے خلاف چیخیں گے

جن لوگوں نے عدل و انصاف کو یکا و مال بنا رکھا ہے اور شریعت بل عدل کو بالکل صفت بنانا چاہتا ہے تو وہ لوگ اس کی مخالفت کریں گے کیونکہ ان کے مفادات پر ضرب پڑے گی۔ پھر تو دنیا میں کوئی بھی حکومت اصلاحی قانون پاس نہیں کر سکے گی۔

کیا حکومت اللہ کا دین الٰہی نافذ کرنا چاہتی ہے

یہاں ہمارے وزیر اعظم صاحب نے بھی کہا تھا کہ ہم ایک ایسا بل لائیں گے جس پر پوری قوم متفق ہو۔ کوئی نہ کوئی مفاد پرست طبقہ اس پر راضی نہیں ہو گا۔ کوئی ایسا بل جس پر پوری قوم متفق ہو گی تو وہ پھر بل ہی بل ہو گا۔ اس میں کوئی معنویت نہیں ہو گی۔ یہ تو اکبر کا دین الٰہی ہو گیا۔ اکبر چاہتا تھا کہ میں ایسے قوانین بنا دوں جس میں ہندو، سکھ، مسلم، عیسائی، لادین کمیونسٹ اور دہری سارے کے سارے خوش ہوں گے۔ اس اکبر کے دین الٰہی کا انجام کیا ہوا۔ امت نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ چند سال سے آگے نہیں بڑھا اور اس کے نتیجے میں برصغیر میں ایک بہت بڑا اسلامی انقلاب آیا۔

اس مملکت اور شریعت بل کے بانی مجدد الف ثانیؒ ہیں

اورنگ زیب عالمگیر اور مجدد الف ثانی مقابلے میں آ گئے۔ میں کہتا ہوں اس مملکت اور شریعت بل کے بانی اول جو ہیں اور برصغیر میں شریعت بل کا آغاز کرنے والے مجدد الف ثانی ہیں۔ اور اس وقت سے ہماری یہ کوششیں رکی ہوئی ہیں۔ اور آگے نہیں بڑھ رہیں اور ہماری یہ ساری قربانیاں رائیگاں ہیں۔

ارکانِ اسمبلی تاریخ کے فیصلہ کن موڑ پر ہیں!

اگر اس پارلیمنٹ کو اللہ نے موقعہ دیا اور ان ارکان نے اللہ و رسولؐ اور ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر اس بل کو پاس کیا تو ان کو تاریخ میں ایک لازوال مقام ملے گا ہزار سال کے بعد جو چار پانچ سو سال محنتیں ہوتی ہیں اور جو قربانیاں دی گئیں وہ سب ان کے ہاتھوں ٹھکانے لگ جائیں گی۔ اب یہ ان کے اوپر ہے کہ اللہ کے ہاں سرخرو ہوتے ہیں اور اسلاف کی محنتوں کو ٹھکانے لگاتے ہیں یا اس پر یہ لوگ بھی پانی بہاتے ہیں۔ تاریخ کا یہ ایک فیصلہ کن موڑ ہے ان ارکان کا نمایاں ذکر آئے گا اچھے طریقے سے یا برے طریقے سے اور خدانخواستہ کوئی فرقہ سمجھتا بھی ہے کہ اس سے ہمارے حقوق پر زد پڑتی ہے تو ملک میں مختلف مکاتب فکر ہوتے ہیں طبقات ہوتے ہیں تو ان فرقوں کو ہم تحفظ دے سکتے ہیں۔ ان کو اپنے حقوق کی فکر کرنی چاہیے۔ اپنے دین، اپنے قوانین اور اپنے جو مسلمہ نظریات ہیں ان کے لئے فکر مند ہونا چاہیئے۔ کہ ہم ان کو نہ چھین سکیں۔

کسی فرقہ کو ہمیں اپنی شریعت پر عمل کرنے سے روکنے کا حق نہیں

ہم نے جب آئین میں ترمیم کر کے تمام فرقوں کو یہ حق دے دیا ہے کہ وہ اپنے پرسنل لا میں اپنی فقہ اور اپنے مسلمہ عقائد کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ہم نے اس بل میں بھی دفعہ ۸ میں یہ واضح طور پر کہا کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے

کسی فرقے کے اپنے جو پرسنل لاز ہیں اپنے کوئی معتقدات اور نظریات ہوں تو وہ اس کے مطابق اپنی زندگی گذاریں۔ اور جج بھی اس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ نہ ان کو تو اپنا حق مل گیا دہ پانچ فیصد ہیں دس فیصد ہیں فرض کریں ۲۴ فیصد ہیں لیکن کسی فرقے کو یہ حق کہاں سے آیا ہمارے جو معتقدات ہیں میرا جو دین ہے میرا جو نظریہ ہے میری جو فقہ ہے میرے جو کتاب وسنت، اجماع اور ماخذ ہیں اس سے ہمیں وہ کیسے روک سکتے ہیں نہ ہمیں ان کو روکنا چاہیئے اور نہ ہمارے دین اپنے نظام اور اپنے دستور العمل کی طرف پیش رفت کرنے سے روکنا چاہیئے یہ تو اخلاقاً قانوناً، جمہوریت کے لحاظ سے ہر لحاظ سے روکنا ایک ظلم ہو گا۔ ۹۰ یا ۹۵ فیصد اکثریت اپنے دین پر عمل کرنا چاہتی ہے بس۔ وہ قطعاً یہ نہیں چاہتی کہ اس فرقے کے حدود پر قدغن لگے۔ اس پر کوئی ظلم ہو ان پر کوئی زیادتی ہو۔ یہ بڑی زیادتی ہے کہ ہم اپنے دین سے اپنی فقہ سے اپنے مسلمہ قواعد سے دست بردار ہو جائیں کہ کوئی ایک فرقہ خفا ہوتا ہے ناراض ہوتا ہے بھائی! کیوں ناراض ہوتا ہے ہم ان کے معتقدات میں قطعاً مداخلت نہیں کرتے ان کو اپنے پرسنل لار کے مطابق چلنے کا حق دیتے ہیں۔

متفقہ ۲۲ نکات کا شریعت بل سے موازنہ

جناب والا! اس مسئلے کا ایک فیصلہ ابھی ہو سکتا ہے ہمیں ایک ایسی چیز سامنے رکھنی چاہیئے تھی جس پر تمام طبقات فکر نے اور فقہ کے پیروؤں نے متفقہ ایک فیصلہ دے دیا اور قابل احترام شخصیت ہمارے پیر پگاڑا نے بھی کہا کہ ۲۲ نکات کی روشنی میں یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے کیونکہ ۲۲ نکات پہ ایک دفعہ اجماع ہو چکا ہے اس میں جید شیعہ اور سنی علماء تھے۔ پھر ہمارے دوست شام کو ایک بات کرتے ہیں اور صبح کو دوسری۔ اور ملک میں آوازیں اٹھتی ہیں انہوں نے بھی شور مچایا کہ اس بل سے متفقہ بائیس نکات مجروح ہو جائیں گے۔ اور وہ ختم ہو جائیں گے۔ تو میں ان لوگوں کے جواب کے لیئے کچھ عرض کروں گا اور جناب پیر صاحب کے مشورے کی تحسین کرتے ہوئے میں بھی کچھ عرض کروں گا۔ کہ دونوں چیزیں سامنے رکھ کر دیکھیں کہ ہم نے کون سی بات سے ۲۲ نکات کی نافرمانی کی ہے۔ خلاف ورزی کی ہے یا اس سے سرتابی کی ہے۔ اگر یہ چیز آج طے ہو جائے تو ہمارے بل کی ایک ایک دفعہ ۲۲ نکات کے مترادف ہے متفق ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی تو پھر ان تمام لوگوں کو جن کے اکابرین نے دستخط کیئے تھے تو ان کا اخلاقاً فرض ہو گا کہ وہ اس بل کو بھی تسلیم کر لیں۔ میں یہاں مختصر اس کی چند مثالیں دوں گا۔

شریعت بل ۲۲ نکات ہی کی قانونی زبان ہے

میرے سامنے بائیس ۲۲ نکات بھی ہیں اور اپنا بل بھی ہے۔

جناب چیئرمین۔ اگر ذرا اختصار سے کام لیں تو وقت بھی کم ہو رہا ہے۔

مولانا سمیع الحق۔ حضرت ابھی وقت تو تنگ نہیں ہوا۔ ابھی تو رات کے بارہ، ایک بجے تک ہم بیٹھ سکتے ہیں یہ اتنا اہم مسئلہ ہے بڑا قومی مسئلہ ہے یہ ممبران حضرات کچھ ایثار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اجر بھی دے گا اگر ۹ بجے سے کچھ بڑھ بھی جائے تو کیا حرج ہے بہر حال میں کوشش کروں گا کہ چند منٹ کے بعد اس کو سمیٹ لوں۔

ہمارے اس بل میں بڑا مسئلہ تعریف کا ہے۔ کہ شریعت کا اصل ماخذ قرآن پاک اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے دفعہ ۲ کی شق ب۔ اب اس میں ہم بنیادی نقاط کو دیکھتے ہیں۔ دفعہ ۲ کے دوسرے نقطے میں واضح لکھا گیا ہے کہ ملک کا قانون قرآن وسنت پر مبنی ہوگا۔ اب اس میں کہاں ہم نے ادھر سے حکم عدولی کی۔ اگر دفعہ ۳ ہے کہ کوئی مقننہ شریعت کے خلاف قانون نہیں بنائے گی تو آگے کی مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرارداد ایسی منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو۔ اگر ایسی کوئی قرارداد یا قانون منظور کر لیا گیا تو اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

اب وہاں جو دوسرا نکتہ ہے اس میں بھی یہی ہے کہ ملک کا قانون قرآن وسنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا یعنی مقننہ (پارلیمنٹ) پر وہاں بھی قدغن لگائی گئی ہے۔ کہ پارلیمنٹ کو کھلی آزادی نہیں ہے۔ وہ کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکے گی اور نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جا سکے گا۔ اس میں ہمارا اگلا نکتہ آیا ہے کہ مقننہ کو بھی اس کا پابند بنایا گیا ہے اور ایڈمنسٹریشن کو بھی، کہ دونوں کوئی ایسا حکم نہیں دے سکیں گے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو ہماری دفعہ ۳ میں ایک جملہ زیادہ ہے کہ اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔ کیونکہ ۲۲ نکات مرتب کرتے وقت وفاقی شرعی عدالت کا کوئی تصور یا ادارہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہاں یہ نہیں کہا جا سکا۔

آگے ہمارے بل کی دفعہ ۶ ہے کہ شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی۔ انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیراعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا تو وہاں ۲۲ نکات میں شق ۳ میں یہ چیز واضح موجود ہے کہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جا سکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اور مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصولوں اور مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔ یہ ہمارے بل کی اگلی دفعہ ۷ ہے۔ عدالتی عمل اور احتساب۔ کہ حکومت کے عمال بشمول صدر مملکت اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوں گے۔

جناب والا ——— آیئے ہم اب بائیس نکات دیکھتے ہیں اس میں سترواں نکتہ واضح طور پر یہ ہے کہ صدر مملکت کو یہاں کہا جا رہا ہے کہ صدر مملکت کو آپ کیوں پیٹتے ہیں اور وزیر اعظم کا ذکر آپ کیوں کرتے ہیں تو وہاں ۲۲ نکات کا سترواں نکتہ یہی ہے کہ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذے سے بالاتر نہیں ہوگا۔ صاف طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ عام شہری کی طرح یہ بھی ہوگا۔ اسی ۲۲ نکات کا ۱۸ واں نکتہ ہے کہ ارکان اور عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی ضابطہ قانون ہوگا۔ اور دونوں پر اس کو عدالتیں ہی نافذ کریں گی۔ اس میں ارکان، عمال حکومت اور سب شہری احتساب کے دائرے میں لائے گئے۔

دفعہ ۸ کے تحت جو مسلمہ فرقے ہیں ان کو ان کے پرسنل لاء جو اس وقت بعض دوستوں نے حذف کرا دئے تھے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ وہ حذف نہ ہوں وہ اپنی جگہ پر رہیں اور منتخبہ کمیٹی میں انہوں نے کہا کہ اس مسئلہ کو چھیڑنے کی ضرورت

نہیں ہے۔ اس لئے کہ آئین میں نئی ترمیم کی شکل میں آرڈیننس طے ہو چکا ہے تو چونکہ آئین میں یہ چیز آ گئی ہے کہ ان کو اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی تو اس نکتے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ملک میں بڑا زور و شور مچایا گیا کہ اس دفعہ کو حذف کر لیا گیا ہے۔ حالاں کہ اصل محرکین نے اس دفعہ کو رکھا تھا لیکن وہاں یہ تجویز سامنے آئی کہ اس دفعہ پر عمل ہو چکا ہے اب بھی اگر کوئی چاہے تو ہمیں انکار نہیں ہے اس میں باقاعدہ یہ دفعہ رکھ سکتے ہیں۔

ہمارے بل کی دفعہ ۹ جو ہے اس میں واضح ہے "غیر مسلموں کو تبلیغ کی آزادی یعنی غیر مسلم باشندگان مملکت کو اپنے ہم مذہبوں کے سامنے مذہبی تبلیغ کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور یہ شریعت بل ان پر لاگو نہیں ہوگا۔

اب یہی دفعہ ۹ جو ہے وہ ۲۲ نکات کے دسویں نکتے میں واضح طور پر موجود ہے۔ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب، عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حق حاصل ہوگا۔ تو دسواں نکتہ یہاں ہم نے اپنی دفعہ ۹ میں پورا سمو دیا ہے۔ آپ دونوں کو سامنے رکھ کر موازنہ کر سکتے ہیں پھر اس میں علماء کو جج مقرر کرنے کی بات کی گئی ہے یا معاون کے طور پر کام کریں گے۔ اس چیز سے اچنبھا کیوں ہے۔ یہ اگر ۲۲ نکات میں نہیں ہے تو اس کو ہم نے ۱۹۷۳ء کے آئین میں باقاعدہ طور پر تسلیم کیا ہے اور جو نظریاتی کونسل کے متعلق جو باب ہے اس میں یہ ساری چیز موجود ہے کہ علماء، ان کے شرائط، تدریس کی مدت جب ساری وہاں تسلیم ہو چکی ہے تو یہاں کوئی نئی چیز نہیں ہے جس سے بہت بڑا طوفان آ جائے گا۔

آگے ذرائع ابلاغ کی تطہیر دفعہ ۱۴ تو وہ نکتہ ۲۰ جو ہے اس پر واضح طور پر موجود ہے۔ ہم ذرائع ابلاغ کی تطہیر غلط افکار و نظریات کے خلاف ہو، اخلاق و عقیدے کے خلاف ہو اس پر پابندی لگانا چاہتے تھے تو ۲۲ نکات میں بیسواں نکتہ یہ ہے کہ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصولوں اور مبادی کے انہدام کا باعث ہو۔ ہم نے اس کو بھی یہاں ملحوظ رکھا۔ ہمارا سولہواں نکتہ بنیادی حقوق کے تحفظ کا ہے۔ اس کے بارے میں بڑی لے دے ہوئی ہے تو اس کے الفاظ یہ ہیں، "کہ شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگان ملک کو دئیے ہیں ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔ اب اس میں دیکھتے ہیں کہ یہ نکتہ ہے کہ نہیں، تو ہم بائیس نکات کا ساتواں اور آٹھواں جو بالکل واضح طور پر ہے ہم نے یہاں بہت مختصر الفاظ میں اس کو سمو دیا ہے۔ ساتواں نکتہ یہ ہے کہ:۔

"باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو دئیے ہیں"

یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال، عزت و آبرو، آزادی مذہب و مسلک، آزادی عبادت، آزادی

ذات، آزادی اظہار رائے ۔آزادی نقل وحرکت ۔آزادی اجتماع ۔آزادی اکتساب رزق ۔ رفاہی اداروں سے ترقی کے مواقع میں یکسانی اور استفادے کا حق ۔اور آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ مذکورہ بالامیں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سندجواز کے بغیر اس وقت تک سلب نہیں کیا جائے گا اور کسی جرم میں بغیر موقع صفائی دیئے اور فیصلہ عدالت کے سزا نہیں دی جائے گی ۔

اب یہ چند مثالیں تھیں جو میں نے شریعت بل جو ایوان کے سامنے ہے اور ۲۲ نکات ، یہ چند مثالیں سرسری مطالعہ سے جو سامنے آئیں ہیں نے آپ کے سامنے رکھ دیں کہ ہم نے تو بنیادی حقوق کو نافذ کرنے کی اس بل کے ذریعہ کوشش کی ہے ۔ہم نے قرار داد مقاصد کو عملاً اس ملک میں نافذ کرنے کے لئے یہ شریعت بل پیش کیا ہے ۔ہم نے پچھلی تمام کوششوں سے سر مو انحراف نہیں کیا ۔بلکہ ان تمام محنتوں کو نتیجہ خیز اور ثمر آور بنانے کی کوشش کی ہے ۔

بہت پہلے شریعت بل پر پوری امت کا اتفاق ہو چکا ہے

توجناب چیئرمین صاحب ! انہی بائیس نکات کے متفقہ آئینے میں دیکھئے کہ آپ کو اس میں علامہ جعفر حسین مجتہد کا نام بھی نظر آئے گا ۔آپ کو علامہ حافظ مفتی کفایت حسین مجتہد کا نام بھی نظر آئے گا ۔آپ کو اس وقت کے جمعیت الحدیث کے بہت بڑے عالم مولانا محمد اسمٰعیل کا نام بھی نظر آئے گا ۔آپ کو اس میں دیو بندی اور بریلوی مکتب فکر کے تمام سرکردہ علماء کے دستخط ثبت ہوئے نظر آئیں گے ۔مولانا سید سلیمان ندوی ۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۔مولانا اطہر علی اور مولانا ابوجعفر محمد صالح ۔یہ میں نے چند مکاتب فکر مسلمہ علماء کے نام لئے ہیں ۔کہ ان لوگوں نے اس پہ دستخط کیے ہیں کہ ہم اس طرح ملک کی گاڑی کو اسلام کی پٹڑی پہ آگے چلا سکتے ہیں ۔

بل مسترد کر دیا تو منافقت پر مہر لگ جائے گی

میں آخر میں اتنی عرض کروں گا کہ شریعت بل منظور کئے بغیر ہرگز اس ملک میں حاکمیت اعلیٰ خداوند قدوس کی قائم نہیں ہو سکتی ۔ہم ان کو ہزار ساورن کہیں اس کی ساورنٹی تب آئے گی جب شریعت بل کو عدالتوں ، ایوانوں اور ایڈمنسٹریشن میں اور ذرائع ابلاغ کے اداروں میں ہم جب تک نہیں پہنچائیں گے تو اس ملک میں حاکمیت اعلیٰ صرف تبرک کے لئے تو ایک بات ہوگی لیکن عملاً کوئی حیثیت نہیں ہوگی ۔اور نہ ہم اس کو مسترد کر دینے کے بعد اسلام کا نام لینے کا حق رکھتے ہیں ۔نہ ہم اسلام کا نام الیکشنوں میں لے سکیں گے اور جس طرح ہم چالیس سال سے کر رہے ہیں نہ ہم اسلام کا نام سیاست کے لئے ، نیابت کے لئے اور قوم کی ترجمانی کے لئے استعمال کر سکیں گے ۔اس سے اس حکومت پر ، اس ملک پر مہر لگ جائے گی کہ یہاں ویسے نام کے لئے اسلام لایا گیا ہے ۔

توخدارا ! ملک کو اس فضیحت سے بچایئے اور یہ ایوان ایسے کوئی اقدامات نہ کرے اس کو ایسی ترامیم کے ذریعے مجروح نہ کیجئے جو اس بل کی روح کو ختم کر دے یہ ایوان ایسا نہ کرے جو اس بل کی روح کو ختم کر دے ۔

سرکاری ترامیم شریعت بل کو ڈائنا میٹ کرنے کے مترادف ہیں

آج ہمارے سامنے ترامیم کا ایک مسودہ رکھا گیا ہے مجھے پڑھ کر انتہائی دکھ ہوا اور میں نے دیکھ لیا کہ حکومت کے عزائم کیا ہیں ان ترامیم کے ذریعہ انہوں نے اس شریعت بل کی ایک ایک دفعہ کو ڈائنا میٹ کر دینے کی کوشش کی ہے۔ حکومت یہ نہ سمجھے کہ وہ یہ ترامیم پاس کرائے گی اور قوم کو یہ کہا جائے گا کہ شریعت بل پاس ہو گیا ہے۔ قوم بھی بڑی ہوشیار ہے وہ بڑی آہنی آنکھیں رکھتی ہے وہ سارا پوسٹ مارٹم کرے گی۔ ان ترامیم کا بھی اور اس بل کا بھی۔ اور انشاءاللہ جب تک ہم قوم کو نہیں کہیں گے کہ یہ شریعت بل، شریعت بل ہے تو آپ ہزار ترامیم اور مسودے پاس کرائیں قوم آپ کی نہیں مانے گی ہماری مانے گی۔

ہر شہری ہر طبقہ کے حقوق کی حفاظت

پھر میں دوسرا یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اس شریعت بل سے ملک کے کسی طبقہ کسی شہری کے حقوق پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی سب کو حقوق مل جائیں گے۔ اور مفاد پرست افراد جو جونک کی طرح معاشرے کو چوس رہے ہیں بلیک میلنگ کر رہے ہیں ان کے تمام راستے اس بل سے بند ہو جائیں گے۔ اس طرح میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ غیر مسلم اقلیت کو اس بل کے ذریعے ایک بے مثال تحفظ مل جائے گا ان کو تمام حقوق مل جائیں گے۔ ابتداء میں کچھ مشکلات ہوتی ہیں ہم جب ایک عبوری دور سے گزریں گے تو کچھ مشکلات سامنے آئیں گی لیکن اللہ تعالیٰ ان کو آسان کر دے گا۔

نظام کی تبدیلی سے وقتی دشواریاں برداشت کرنی ہوں گی

اور جب پوری قوم چاہتی ہے اور آپ بھی چاہیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے دروازے کیسے کھولتا ہے اور وہ مشکلات آسان کر دیتا ہے۔ اگر کچھ دشواریاں ہیں تو وہ اس نظام کی وجہ سے ہیں جو ڈیڑھ سو برس سے ہم پر مسلط ہے۔ اب جب اس نظام کا جوا اتار دیں گے تو کچھ مشکلات تو سامنے آئیں گی نا۔

ایک شرابی جو ہر وقت شراب پینے کا عادی ہے جب آپ اس سے شراب چھڑائیں گے تو اسے تکلیف ہوگی وہ تڑپے گا لیکن یہ بات تو نہیں کہ شراب بڑی اچھی چیز تھی اور اسے بڑی اچھی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ تڑپتا ہے۔ نہیں۔ شراب بذات خود ایک خراب چیز تھی۔ لیکن اس کی عادت اتنی بڑھ چکی تھی اور اس کے جسم و جان میں اتنی اتنی سرایت کر چکی تھی کہ جب اس غلط چیز کو اس سے چھڑائیں گے تو اس کو کچھ دن تو تکلیف ہوگی اور جب اس کی یہ عادت چلی جائے گی تو پھر وہ دعائیں دے گا وہ شکر کرے گا کہ یا اللہ میں تو بہت بڑی مصیبت سے چھوٹ گیا۔ یہ انگریزی نظام ہماری جڑوں میں شراب اور ہیروئن کی طرح سرایت کر گیا ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کچھ دن تک تکالیف، کچھ مشکلات، کچھ دشواریاں برداشت کرنی پڑیں گی ایسا تو نہیں ہے کہیں کہ ع

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا

والی بات ہو جائے گی کہ ع

منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

تو اس کٹھن منزل کو ہمیں عبور کرنا ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔

دنیا کیلئے مثالی انقلاب مثالی نمونہ

اور یہ معاشرہ ایک مثالی اور اسلامی بن جائے گا۔ یہ معاشرہ اگر اسلامی بن گیا ایک نمونہ بن گیا تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ملک، معاشرہ اور اس کا انقلابی عمل پوری دنیا میں انقلاب کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے اثرات مشرق و مغرب میں پڑیں گے آپ کے سیکولرازم والے سیکولرازم سے دستبردار ہو جائیں گے۔ آپ کا روس اور چین سوشلزم کو دور پھینک دے گا اصل راحت تو اس نظام میں ہے۔ آپ کا امریکہ اسے محسوس کرے گا تو انسانی حقوق تو وہاں محفوظ ہیں۔ خوشحالی، آسائش اور عدل و انصاف تو وہاں ہے۔ اس کے انقلابی اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوں گے۔ اگر یہ امامت و قیادت پاکستان کو نصیب ہوئی تو یہ اس کی بہت بڑی سرخروئی اور خوش قسمتی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جلد از جلد اس منزل پر پہنچنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جناب چیئرمین شکریہ!

بیاد بہ مجلس شیخ الحدیث

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

جہادِ افغانستان، تحریک نفاذِ شریعت اور اہل علم کی ذمہ داریاں

اپریل ۸۶ء علماء اور دارالعلوم کے فضلاء کی ایک جماعت سے گفتگو کے دوران حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ارشادات کے بعض حصے محفوظ کر لئے گئے تھے۔ ارشاد فرمایا :-

ہم روزانہ نماز میں اور بغیر نماز کے بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں اہدنا الصراط المستقیم۔ یہ قرآن، یہ اللہ کی کتاب، صراطِ مستقیم کی تفصیل ہے۔ ضالین اور مغضوب علیہم کی راہ سے احتراز اور نجات کی تعلیم اس سورت فاتحہ میں دی گئی ہے۔ اور ہم ہر نماز میں یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی دعائیں کرتے ہیں۔

یہ جتنی کوششیں شروع ہیں یہ آپ حضرات علماء کرام اور جمعیت علماء اسلام کے اکابر، جو جلسے کر رہے ہیں اور آپ نے جو جگہ جگہ اور پشاور میں علماء کنونشن کے لئے محنت کی ہے یہ سب اس لئے ہے کہ اس ملک کا اجتماعی نظام، صراطِ مستقیم ہو۔ صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے انعام نازل کئے ہیں۔ منعم علیہم کی راہ، صراطِ مستقیم ہے یہ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی راہ ہے۔

آج ہمارا ملک نازک حالات سے دو چار ہے اور ہم دو فتنوں کے نرغے میں ہیں۔ ایک طرف حکومت کا رویہ منافقانہ ہے شریعت بل سے تاخیری حربے کھیلے جا رہے ہیں۔ بلکہ اب تو کھل کر مخالفت کی جا رہی ہے۔ دوسری طرف سوشلزم کا عفریت پھر سے زندہ ہو کر آگیا ہے۔ بے دین قوتیں زندہ ہو گئی ہیں۔ سیکولرازم اور بے دینی کا سیلاب امڈ آیا ہے لوگ ضلالت کے راستے پر دوڑے جا رہے ہیں جس طرح مداری ڈھولکی بجاتا ہے سب اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خدا افغان مجاہدین کو زندہ رکھے اور استقامت اور فتح عطا فرماوے اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو سرحد اور بلوچستان کبھی کے روس کے قبضے میں ہوتے آج افغان مجاہدین اگر افغانستان کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو دوسری طرف پاکستان کے دفاع کی جنگ بھی لڑ رہے ہیں۔

الحمد للہ! جس طرح پاکستان میں دینی مدارس اور مختلف تبلیغی اور تعلیمی محاذات پر دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء مصروفِ کار ہیں اسی طرح گلگت سے لے کر کراچی تک اور خیبر تک جو ہزاروں مجاہدین و مہاجرین پھیلے ہوئے ہیں اور ادھر محاذِ

جنگ پر برسرپیکار ہیں۔ ان میں اکثریت دارالعلوم کے فضلاء کی ہے۔ مولانا جلال الدین حقانی، مولانا امیر جان حقانی مولانا دبیدار حقانی۔ مولانا یونس خالص یہ سب دارالعلوم کے فضلا ہیں اور یہاں کے تربیت یافتہ ہیں۔

ابھی پچھلے دنوں مولانا جلال الدین حقانی پکتیا کے محاذ پر زخمی ہوئے اور ان کے ۳۸ رفقا شہید ہوئے تو مولانا جلال الدین کہہ رہے تھے کہ میں شہادت کی تمنا لے کر لڑ رہا ہوں۔ میرے ساتھیوں کو شہادت کی سعادتیں حاصل ہو رہی ہیں۔ اور میں بدنصیب ہوں کہ محروم ہو رہا ہوں۔

خالد بن ولیدؓ اسلام کے بڑے جرنیل ہیں شاید ہی کوئی جنگ ایسی ہوئی ہو جس میں آپ شریک نہ ہوئے ہوں جسم میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں تیر یا تلوار کا زخم نہ ہوا ہو۔ تمنا تھی کہ میدانِ جنگ میں شہید ہوں مگر انہیں "سَیْفٌ مِّن سُیُوفِ اللّٰہ" کا خطاب مل چکا تھا۔ اللہ کی تلوار کب ٹوٹنے کی تھی۔

بہرحال تعطیلات میں بھی ہمارے طلبہ جہادِ افغانستان میں شریک ہوتے ہیں اب بھی طلبہ کی کئی ایک جماعتیں شریک جہاد ہیں۔

اب ایک اور فتنہ بڑے زور شور سے پھر سے جوان ہو کر آگیا ہے۔ یہ سوشلزم کا فتنہ ہے یہ بے حیائی کا فتنہ ہے یہ اباحیت کا فتنہ ہے اور نسوانی آزادی کا فتنہ ہے۔ کہ عورتیں سٹیج پر آگئی ہیں۔ عورتیں لیڈر بن گئی ہیں۔ العیاذ باللہ

میں اس لئے اب گھر سے نکل رہا ہوں اور امراض و عوارض کی وجہ سے چلنے پھرنے کا نہیں مگر جیسا تیسا بھی بن پڑتا ہے سفر کی صعوبتیں برداشت کر رہا ہوں خود کو گھسیٹتا ہوں کہ علماء کو اور بالخصوص دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء کو ادھر توجہ دلاؤں کہ حکومت کے فتنہ اور دوغلی پالیسی کے ساتھ بھی جنگ لڑنی ہے۔ تم جس طرح تعلیم کے میدان میں فضل و کمال حاصل کر چکے ہو جہاد کے میدان میں بھی پیچھے نہ رہئے۔

ہماری جدوجہد اور کوششیں کسی بھی لادینی قوت کو نفع پہنچانے کے لئے نہ ہوں۔ نہ مغربی جمہوریت کے لئے اور نہ حکومت کے لئے، ہماری کوشش محض شریعت کے لئے ہونی چاہئے۔ اب شریعت بل پیش کیا جا چکا ہے حکومت ایک ہی رات میں مارشل لا اٹھا سکتی ہے ہنگامی حالات ختم کرا سکتی ہے مگر شریعت بل کے نفاذ میں حیلہ سازی اور دروغ گوئی سے کام لے رہی ہے اور اب تو کھل کر مخالفت کر رہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ علماء متحد ہو کر نظام شریعت کے لئے حکومت کے گریبان پہ ہاتھ ڈالیں اور شریعت بل منظور کرائیں۔

آپ حضرات نے مجھ پر اعتماد کیا۔ میں نااہل ہوں مگر آپ کے حسن ظن اور اعتماد کی قدر کرتا ہوں آپ حضرات نے جو معاہدہ کیا ہے نظام شریعت کے نفاذ کے سلسلہ میں کوشش کرنے کا اللہ کریم اس کی لاج رکھے گا[1]

---

[1] علماء کے وفد کے اراکین مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو تحریک نفاذ شریعت کے سلسلہ میں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلا رہے تھے۔

تعلیم الاسلام | تعلیم القرآن حقانیہ سکول (جو دارالعلوم حقانیہ کا ایک شعبہ ہے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی سرپرستی اور نگرانی میں چل رہا ہے) کے نصاب تعلیم کا ذکر چھیڑا تو ارشاد فرمایا:-

کہ ہم نے تعلیم القرآن حقانیہ سکول کے نصاب میں حضرت مفتی محمد کفایت اللہؒ کی تعلیم الاسلام کے چاروں حصوں کو نصاب میں داخل کر دیا ہے۔ کتاب اختصار کے باوجود جامع ہے۔ صرف بچوں ہی نہیں بلکہ بڑوں کو بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ آسان ہونے کے ساتھ ساتھ تمام ضروری مسائل کو حاوی ہے۔

خواب میں دودھ کی تعبیر | دارالعلوم حقانیہ کے ایک قدیم فاضل جو اس وقت دو دینی مدارس کے مہتمم بھی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں ایک خواب بیان کرنے کی اجازت چاہی حضرت مدظلہ نے فرمایا۔ ضرور بیان فرمائیے! تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانیؒ سے خواب میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرا بہت اچھا اکرام کیا اور شفقت فرمائی۔ میں نے جب ان سے عرض کیا۔ حضرت! آپ کے کھانے کے لئے کیا چیز تیار کی جائے جو طبیعت کے موافق ہو تو ارشاد فرمایا۔ خالص دودھ کا انتظام کریں — مجھے دودھ کی غذا پسند ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا: خواب میں دودھ پینا، یا تیار کرانا وغیرہ علم سے اس کی تعبیر کی گئی ہے۔ مجھے تعبیر خواب سے کوئی خاص مناسبت نہیں ہے۔ علامہ ابن سیرینؒ نے تعبیر الرویا میں یہی لکھا ہے۔

آپ کے خواب کی تعبیر ظاہر ہے ماشاء اللہ آپ خود بھی عالم فاضل ہیں اور پھر دو دینی مدارس کا کام چلا رہے ہیں حضرت افغانیؒ آپ کو بشارت دے رہے ہیں کہ ماشاء اللہ آپ کے ہاں دین کی دولت اور علم کا سرمایہ وافر ہے کہ انہوں نے آپ سے خواب میں دودھ کی خواہش ظاہر فرمائی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے مدارس کامیاب ہوں گے۔ خالص دودھ، خالص رضائے الہی کی خاطر علم و تدریس اور اہتمام کے کام میں لگن ہے۔ مبارک ہو۔ میری دلی دعا ہے کہ باری تعالیٰ مزید ترقیات اور رفع درجات سے نوازے۔

حضرت العلامہ مولانا شمس الحق افغانی سے تعلق | احقر نے عرض کیا کہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے آپ سے اکابر علماء دیوبند اور مشاہیر اہل علم کے مکاتیب کی جو فائلیں بنا کر ان کے مکتوبات کو محفوظ کیا ہے ان میں ایک فائل میں وہ خطوط بھی محفوظ کر دیئے گئے ہیں جو حضرت افغانی نے آپ کے نام لکھے تھے۔ حضرت افغانی کا تعلق آپ سے قدیم تھا، حضرت! یہ تعلق کب اور کیسے بنا، تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

حضرت العلامہ افغانی بہت بڑے محقق اور اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے افسوس کہ اہل زمانہ ان کی قدر نہ پہچان سکے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایسے اکابر کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھتا جا رہا ہے۔ حضرت افغانی سے تعلقات یا تعارف کے سلسلہ میں اتنی بات مجھے یاد پڑتی ہے کہ جب میں نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث مکمل کر لیا اور طلبہ میں تکرار اسباق اور فارغ

اوقات میں تدریس اور معقولات میں دلچسپی کی وجہ سے اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند کے مشائخ مجھ پر بے حد شفقت فرمانے لگے تھے اور میرے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ مولانا محمد نبی حسن جو ریاضی منطق اور فلسفہ کے کامیاب استاد تھے کی وفات پا جانے کی وجہ سے ان کی جگہ مجھے نئے سال سے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی ذمہ داریاں سونپ دی جائیں مگر ایسا ہوا کہ بعض حاسدین اور معاصرین طلبہ جو کل تک میرے ساتھی تھے اور نئے سال سے مجھے ان ہی کا استاد بننا تھا، نے درخواست دے دی اور لکھا کہ جو شخص کل تک ہمارا ساتھی رہا ہو ہم اس کو اپنا استاد بنا کر اس کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے اور یہ بالادستی کیسے تسلیم کریں کہ ابھی تک اس کی داڑھی بھی نہیں آئی ہے۔

ادھر سے والد ماجد کا ایک تاکیدی خط آیا کہ فوراً اکوڑہ پہنچ جاؤ۔ اور میری سرپرستی و نگرانی میں بغیر تنخواہ اور معاوضہ کے صرف اللہ ہی کی رضا کی خاطر تعلیم و تدریس اور خدمت دین کا کام شروع کر دو۔

میں والد ماجد کے حکم سے اکوڑہ خٹک آ گیا تو اس کے بعد میری مجوزہ جگہ پر تدریس کے لئے حضرت افغانی کا انتخاب ہوا۔ اور غالب خیال یہ ہے کہ حضرت افغانی اس وقت قلات میں تھے۔ اور یہاں ایک کامیاب مدرس کی ضرورت تھی تو حضرت افغانی کو قلات سے بلا لیا گیا تھا۔

بہر حال اس دور میں، میں نے حضرت افغانی کی زیارت نہیں کی تھی کہ ان سے کبھی ملاقات کا موقعہ نہیں ملا تھا مگر ان سے غائبانہ تعارف تھا اور اسی غائبانہ تعارف کی بنیاد پر انہوں نے مجھے بارہا قلات میں محکمہ قضا کی افسری کے لئے بلایا اور تاکیدی خطوط بھی لکھے تھے مگر میرے والد مرحوم ان چیزوں کے مخالف تھے وہ مجھے قاضی کے بجائے مدرس دیکھنا چاہتے تھے۔ اور میری اپنی افتاد طبع بھی منصب قضا اور سرکاری ملازمت وغیرہ سے متوحش تھی۔

حضرت والد مرحوم کا نظریہ یہ تھا کہ نہ دنیا کا کاروبار کرو، نہ تجارت اور نہ مزدوری کرو اور نہ تدریس پر معاوضہ اور تنخواہ لو بس صرف اور صرف فی سبیل اللہ تدریس اور اشاعت دین کی خدمت انجام دو۔ اس طرح اپنی مزاجی افتاد اور حضرت والدؒ کی خواہش پر میں نے حضرت افغانیؒ کی اس پیش کش اور اس کے قبول کرنے پر اصرار سے معذرت کر دی۔

حضرت افغانی اور دارالعلوم حقانیہ حضرت افغانی کو دارالعلوم حقانیہ سے خصوصی سرپرستی کا تعلق تھا اور مجھ پر بھی بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے اکوڑہ اور پشاور وغیرہ میں جب کبھی بھی تشریف لاتے تو رات کا قیام ہمارے ہاں ڈیوڑھی والی بیٹھک میں ہوا کرتا تھا۔

ان کا ایک ملفوظ اب تک یاد ہے اور اکثر یہ فرمایا کرتے۔

کہ اللہ کریم نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے تعلیم و تدریس اور خدمت علم کے لحاظ سے، دارالعلوم دیوبند کی تدریس سے کوئی دوسرا بڑا مسند نہیں ہے۔ اللہ نے اس سے بھی سرفراز فرمایا اور یہ نعمت عطا فرمائی۔ دنیا کے لحاظ سے وزارت اور حکومت لوگوں کی نظر میں بڑی چیز ہے۔ خدا نے اس سے بھی سرفراز فرمایا، ایک دفعہ چھوڑ دی، پھر بلا لیا گیا پھر خود

استعفیٰ دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اگر اہلِ دنیا کی نظر میں یہ بھی کوئی مقام ہے تو اللہ کریم نے اس سے بھی نوازا۔ اور الحمدللہ کہ رزق حلال اور مال و دولت کی بھی کوئی کمی نہیں۔ مگر سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا انعام ایمان پر خاتمہ ہے اب اسی کی فکر ہے تاہم اللہ کے فضل و کرم سے یقین ہے کہ وہ اس سے بھی نوازیں گے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

حضرت افغانی دارالعلوم کے سالانہ جلسوں میں بھی تشریف لایا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ بڑے بے تکلف تھے چوبیس چوبیس گھنٹے ہمارے ہاں ان کا قیام ہوا کرتا تھا۔

ساتھ بیٹھے ہوئے ایک قدیم فاضل نے عرض کیا جی ہاں! مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ کے حکم سے میں ان کی خدمت پر مامور رہوا کرتا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ حضرت افغانی کی ملاقات کی سعادت تجھے بھی کبھی حاصل ہوئی احقر نے عرض کیا جی ہاں! احقر کے دورۂ حدیث کے سال میں حضرت افغانی اکبر دارالعلوم مردان میں ایک دو گھنٹہ بخاری پڑھایا کرتے تھے مجھے بھی ایک دو مرتبہ وہاں حاضری کا موقع ملا۔ اور حضرت کے درسِ حدیث میں شرکت اور تلمذ کا شرف بھی حاصل ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا۔

اس زمانہ میں ہم بھی یہ چاہتے تھے کہ حضرت افغانی کو دارالعلوم حقانیہ آنے کی زحمت دیں۔ یہاں تدریس کی صورت میں ان سے استفادہ کیا جا سکے مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے روزانہ ان کو اپنے گاؤں ترنگ زئی سے لے آنا اور لے جانا، ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ اور اس طرح ہماری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ تدریسی استفادہ اگرچہ دارالعلوم میں ان سے نہ کیا جا سکا تاہم گاہے گاہے جب وہ تشریف لاتے تو دارالحدیث میں اساتذہ و طلبہ جمع ہو جاتے اور گھنٹوں ان کے علمی و روحانی علوم و معارف اور فیوضات سے مستفیض ہوتے۔

Safety
instant milk

جناب ڈاکٹر ابو سلمان

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

سیرت و خدمات پر ایک سرسری نظر

(۲۰ر جون ۱۹۸۶ء کو یہ مقالہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی سیمینار (کراچی) میں پڑھا گیا)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا وہ اپنے علم و فضل، اخلاق و سیرت، جامعیت علم و فن اور علمی و تعلیمی خدمات کے لحاظ سے نہ صرف علماء دیوبند میں بلکہ علماء عصر میں ممتاز و فائق تھے۔

پیدائش و وطن | مولانا اکبر آبادی کا آبائی وطن ضلع مراد آباد (یوپی) کا قصبہ جھیرا پول تھا۔ ان کی پیدائش ۱۹۰۸ء میں بمقام آگرہ ہوئی۔ جہاں ان کے والد ڈاکٹر ابرار حسین میڈیکل پریکٹس کرتے تھے۔ مولانا اپنے نام کے ساتھ اکبر آبادی کا لاحقہ مولد و منشائے طفولیت اور اولین معہد تعلیمی کی نسبت لگاتے تھے۔

تعلیم | مولانا اکبر آبادی کی تعلیم کا آغاز آگرہ (اکبر آباد) سے ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی سے السنہ شرقیہ کے امتحان پاس کئے۔ اس سلسلہ میں کچھ عرصہ لاہور میں قیام کیا۔ اسی دوران میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے درس قرآن میں شریک ہوئے۔ بعد ازاں انگریزی زبان کی تحصیل کی طرف توجہ فرمائی۔ اور گریجویشن کیا۔ اور والد کی خواہش کے مطابق دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔ یہاں اس عہد کے نامور علمائے حدیث و فقہ کے مشہور اساتذۂ ادب، فلسفہ و منطق اور اصحاب علوم و فنون جمع تھے۔ یہ مولانا اکبر آبادی کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ انہیں مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی، میاں اصغر حسین اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے علمائے عصر اور فضلاء دہر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد وہ سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی میں داخل ہو گئے جہاں سے انہوں نے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ اس طرح انہیں اردو کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی زبان و ادب میں رسوخ اور رفتہ رفتہ تحریر و تقریر میں عبور حاصل ہو گیا۔

درس و تدریس | عملی زندگی کا آغاز دارالعلوم ڈابھیل کے حلقۂ تدریس میں شرکت سے ہو چکا تھا۔ لیکن حصول علمی اور تکمیل علوم مغربی کے شوق میں یہ سلسلہ جلد ہی منقطع ہو گیا۔ اور سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی میں داخل ہو گئے ایم اے کرنے کے بعد وہ اسی کالج میں استاد مقرر ہو گئے۔ یہ سلسلہ ۱۹۲۷ء تک دراز رہا۔ ۱۹۴۷ء میں وہ مولانا ابوالکلام

آزاد کے ایماء پر کلکتہ تشریف لے گئے۔ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا اور دس گیارہ سال کی جدوجہد سے اس تاریخی مدرسے کو جو ۱۹۴۷ء کو بالکل بند ہو گیا جس کے طلباء و اساتذہ منتشر ہو گئے تھے از سر نو زندہ کیا۔ اور اسے ملک کا ایک مایہ ناز ادارہ بنا دیا۔ ۱۹۵۹ء میں وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے گئے۔ جہاں انہیں سنی دینیات کے شعبے کا صدر اور فیکلٹی آف تھیالوجی کا ڈین مقرر کیا گیا۔ علی گڑھ سے سبکدوشی کے بعد تقریباً چار سال تک ہمدرد دہلی کے ایک تحقیقی ادارے سے وابستہ رہے۔

علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلق کے دوران ایک سال کے لئے وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی نے وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے انہیں اپنے ہاں بلا لیا۔ علی گڑھ سے دوسری بار علیحدہ ہوئے تو دارالعلوم دیوبند نے اپنے اس نامور فرزند کے لئے اس کے ذوق علمی اور عقیدت مذہبی کے مدنظر "شیخ الہند اکادمی" قائم کی اور انہیں اکادمی کا ڈائرکٹر بنایا۔ اس کے ساتھ دارالعلوم کے منتہی طلبہ اور اساتذہ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی انقلابی تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس بھی دیتے تھے۔

مولانا اکبر آبادی نے ملک اور بیرون ملک کے متعدد تعلیمی و تدریسی اسفار کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک کے علمی سفر کیے اور بیسیوں عالمی علمی کانفرنسوں میں شریک ہوئے اور سینکڑوں مباحثوں اور مذاکروں میں بھی انہوں نے حصہ لیا۔

تصنیف و تالیف | مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی پوری زندگی درس و تدریس میں بسر ہوئی۔ ان کی تعلیم و تربیت سے ہزارہا نوجوان علمی و عملی زندگی کے مختلف میدانوں میں کامیابی کے ساتھ گامزن ہوئے۔ لیکن ان کے ذہنی و فکری کمالات کا سب سے بڑا اظہار تصنیف و تالیف کے کاموں میں ہمیشہ مشغول رہے۔ انہوں نے ایک درجن سے زائد بلند پایہ علمی و تحقیقی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں صدیق اکبر، عثمان ذوالنورین، غلامان اسلام، اسلام میں غلامی کی حقیقت، مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد، مسلمانوں کا عروج و زوال، وحی الٰہی، فہم قرآن، خطبات اقبال پر ایک نظر اور ہندوستان کی شرعی حیثیت بہت مشہور ہیں۔

تبصرہ | میں یہاں حضرت مرحوم کی تصانیف میں سے چند ایک کے بارے میں اظہار خیال کروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ پر ان کی کتاب کا بہ لحاظ جامعیت اردو میں کوئی جواب نہیں۔ علامہ شبلی نے حضرت عمر فاروقؓ جس زمانہ میں کتاب لکھی تھی ان کا ذہن تاریخ اسلام کی عظیم الشان شخصیات کے بارے میں ایک خاص انداز سے سوچ رہا تھا۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق مطلوبہ خصائص کی شخصیت حضرت عمر فاروقؓ ہی کی ہو سکتی تھی۔ اور معلوم ہے کہ انہوں نے "الفاروق" کی شکل میں اردو کے اسلامی لٹریچر میں جو اضافہ کیا ہے وہ نہایت درجہ بیش بہا ہے۔ شبلی نے حضرت فاروقؓ کی شخصیت و سیرت کے خصائص کا جو مرقع تیار کیا ہے وہ بے مثال ہے

شبلی نے اس کے علاوہ بھی اسلامی، تاریخی شخصیات و موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ نہ لکھتے تب بھی صرف "الفاروق" اردو ادب میں ان کی دائمی بقا وحیات کے لیے کافی تھی۔ لیکن اگر علامہ شبلی کے مخصوص نقطہ نظر سے الگ ہو کر خالص علمی نقطہ نگاہ سے اس کے معیار کی جستجو کی جائے تو اس تالیف کے بعض پہلوؤں میں نقص کے احساس سے کوئی شخص اپنے قلب کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن حضرت شبلی کے اسلوب نگارش کی دل ربائی کا یہ عالم ہے کہ ان کی تالیف کی اس کوتاہی کی طرف نظر نہیں جاتی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ پر تالیف میں مولانا اکبر آبادی مرحوم کا نقطہ نظر شبلی مرحوم کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہے۔ مولانا اکبر آبادی نے کسی خاص سلسلہ و موازنہ و مقابلہ میں حضرت صدیق اکبر پر قلم نہیں اٹھایا بلکہ تاریخ اسلام کے ایک اہم موضوع اور عظیم الشان شخصیت اور اس کے ذہنی و فکری کمالات، دماغی صلاحیتوں، سیرت کے محاسن، اخلاق کے فضائل، ایثار جان و مال کے جذبے، انفاق فی سبیل اللہ کے ذوق، فکر و بصیرت کی وسعتوں، عزم کے رسوخ، فیصلے کی محکمی، سیرت کی استقامت، خدمات کی عظمتوں، شخصیت کی ہمہ گیریوں اور بعد کی تاریخ اسلام پر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضؓ کے ہمہ گیر اثرات، غرضیکہ علم و فضل کے خصائص کبریٰ کی جامعیت میں اس تالیف کا درجہ اس سے بہت بلند ہے۔ معارف نے حد درجہ ذہنی تحفظ اور حضرت شبلی کے دفاع اور ندوۃ المصنفین پر دار المصنفین شبلی اکیڈمی کی فوقیت کے احساس کے ساتھ لکھا کہ علامہ شبلی نے الفاروق لکھ کر حضرت عمر رضؓ کا حق تو ادا کر دیا تھا مگر ابوبکر صدیق رضؓ کا ابھی حق باقی تھا۔ ہمارے فاضل دوست مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے یہ کتاب لکھ کر اس حق کو ادا کر دیا ہے۔ حالاں کہ کسی انصاف پسند اور حقیقت نگار کے حاشیہ میں یہ علم ہوتا تو یہ نقش کچھ اس طرح نمایاں ہوتا کہ جس فاضل نے ابوبکر صدیق رضؓ پر قلم اٹھایا تھا اگر وہ حضرت عمر فاروق رضؓ کی شخصیت و سیرت پر قلم اٹھاتا تو حضرت کی ذہنی و دماغی صلاحیتوں اور علم و عمل کے خصائص کی جامعیت کا اسی معیار کا اس سے زیادہ خوبصورت مرقع تیار ہوتا۔

"الفاروق" کی شہرت اور مقبولیت میں علی گڑھ کے مرکز علم و تہذیب سے شبلی کی وابستگی، سر سید کی ستائش اور حالی کی پسندیدگی کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ مولانا اکبر آبادی کی تصنیف کی مقبولیت اس کے باوجود ہے کہ انہیں نہ تو کسی منظم پروپیگنڈہ کرنے والی جماعت کی حمایت حاصل تھی نہ کسی ادارے کے وسائل تشہیر سے فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع انہیں میسر تھا اور اگر انہیں بھی سر سید اور حالی جیسا قدر دان مل جاتا تو ان کی تالیف کے کمال شہرت اور مقبولیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

مولانا اکبر آبادی نے خلفائے راشدین میں حضرت عثمان غنی رضؓ کی سیرت و خدمات کو بھی اپنے فکر و نظر کا موضوع بنایا ہے۔ اور "عثمان ذوالنورین" کے عنوان سے اردو ادب میں ایک بیش بہا تالیف کا اضافہ فرمایا ہے۔ حضرت علی

کرم اللہ وجہ پر اپنے مطالعہ و تحقیق کی تالیف و تدوین میں مصروف تھے۔ اور انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اس کی تکمیل کے بعد وہ اپنے علم اور نظر کے مطابق حضرت عمر فاروق ؓ پر بھی ایک کتاب لکھ کر خلفائے راشدین کے سیٹ کو مکمل کر دیں گے۔ لیکن افسوس کہ اب تک فکر و نظر کا وہ ساقی ہی نہیں جس کا عشوہ طراز وجود مے خانۂ علم کی رونق اور سرگرمی کا موجب تھا۔ اب علم و فن کی ویسی جامعیت ہے نہ ذوق و نظر کے خصائص کی حامل ان کی سی کوئی شخصیت۔ اس لئے اس سلسلے کی تکمیل کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی ایک اہم تصنیف "اسلام میں غلامی کی حقیقت" ہے۔ جس سے ان کے مطالعہ کی وسعت اور مسلم کی گہرائی اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جدید دور نے اسلامی تعلیمات اور تاریخ اسلام کے جن واقعات پر جو تنقیدی نظر ڈالی ہے ان میں غلامی کا مسئلہ بھی ہے۔ بعض مستشرقین اور جدید الفکر اصحاب نے اس باب میں اسلام کو مطعون کیا ہے۔ لیکن دفاع اسلام کے مساعی حسنہ اور تاویلات کی مستحسن کوششوں کے سوا علمی نقطۂ نظر سے کوئی سعی مشکور نہ ہوئی تھی۔ اس سلسلے کی ایک قابل قدر کوشش علی گڑھ کے مرکز علم و تہذیب سے گذشتہ صدی میں نقش پذیر ہوئی تھی لیکن ساعی مرحوم و محترم کے عدم واقفیت تاریخ و روایت اور عدم عبور تعلیمات اسلام کی بنا پر وقت کے افکار یا صحیح جواب وہ بھی نہ بن سکی تھی۔ اگرچہ یہ اعتراف کرنا چاہیئے کہ اسلامی ہند کے دور آخر میں مسلمان اہل علم و نظر کو اسی کوشش نے متوجہ کیا۔ لیکن اب تک جو چیزیں وجود میں آئی تھیں اور علمی نقطۂ نظر ان میں مفقود تھا۔ اور بہ این درجہ علمی دنیا پر ابھی اس موضوع کا قرض باقی تھا۔ بارے خدا نے ہمارے ممدوح مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو اس جانب متوجہ کیا اور قلم اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائی۔

مولانا ممدوح نے غلامی کی روایت سے کامل واقفیت، تاریخ اسلام پر گہری نظر، اسلامی تعلیمات پر عبور اور اس موضوع پر قدیم و جدید لٹریچر میں رسوخ، بلکہ کہنا چاہیئے کہ کامل درجے کے رسوخ فی العلم کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور اسلامی تعلیمات اور دور اسلام میں غلامی کی روایت کے بارے میں تمام شکوک و شبہات کو رفع کر دیا۔ انہوں نے اس کتاب میں دفاع تعلیمات اسلام کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن ان کا اسلوب بیان کسی جگہ پر بھی مدافعانہ نہیں، خالص علمی، تحقیقی اور تجزیاتی ہے۔

لیکن اس کتاب کو حضرت ممدوح کی دوسری تالیف "غلامان اسلام" کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔ خواہ پہلے خواہ بعد۔ یہ کتاب غلامی کے باب میں اسلامی تعلیمات کا صداقت نامہ ہے۔

مولانا اکبر آبادی کی تمام تصنیفات و تالیفات پر نقد و تبصرہ میرا موضوع نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو اس کے لئے نہ وقت ہے نہ فرصت۔ البتہ میں ان کی ایک تصنیف کے بارے میں مزید کچھ عرض کروں گا۔ مولانا کی یہ تصنیف "مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد" ہے۔ ایک صاحب نے بعض خاص جماعتی مصالح کی بنا پر

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمہ کے ابرادمیں معارف میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اس کا مفاد یہ تھا کہ مولانا عبیداللہ سندھی نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ ضلالت میں مبتلا تھے۔ پہلے وہ سکھ مذہب کی ضلالت میں مبتلا تھے پھر دیوبند کی گمراہی نے ان کے وجود کا احاطہ کر لیا۔ شاید وہ سکھ رہتے تو اتنے برے نہ ہوتے اور مضمون نگار کو اعتراض بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کے عقیدے میں مولانا محمد علی کے برعکس ایک فاسق وفاجر مسلمان سے کافر بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مرحوم نقاد کی جماعت اپنی نصف صدی کی تاریخ میں مسلسل مسلمانوں ہی سے برسر پیکار رہے ہیں۔

بہرحال مولانا اکبرآبادی کے قلب پر ایک طرف تو اس مخصوص "اخلاقیات" کا اثر ہوا۔ دوسری طرف اس مضمون میں حقائق کو جس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا اور مولانا سندھی کے افکار کی جس طرح نا فہمانہ اور جانبدارانہ ترجمانی کی گئی تھی۔ اس سے مولانا اکبرآبادی تڑپ اٹھے۔ برہان کی کئی قسطوں میں انہوں نے اپنے جگر لخت لخت سے صفحات کو سجایا اور اپنے افکار کے بولتے لالہ کو رشتہ تحریر میں جس طرح پرو دیا ہے اس نے اصحاب ذوق کے لئے نظارۂ جمال کا ایک خوشنما منظر پیش کر دیا ہے۔ یہ حضرت ممدوح کی ایک یادگار تصنیف ہے۔ جواب نایاب ہونے کی حد تک کم یاب ہو گئی ہے۔

اب جب کہ حال ہی میں لاہور سے ہمارے بعض دوستوں نے اس تنقید کا پس منظر جانے بغیر اسے دوبارہ چھاپ دیا ہے تو ضرورت تھی کہ مولانا اکبرآبادی کا جواب بھی مناسب تعارف کے ساتھ چھاپ دیا جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ مولانا مرحوم عبیداللہ سندھی کے ایک عقیدت کیش نے یہ جواب ایک طویل مقدمے کے ساتھ مرتب کر دیا ہے اس مقدمے میں نہ صرف نقاد کے مزاج وسیرت بلکہ برصغیر کے بہت سے علماء حق اور مفکرین اسلام و مدبرین عہد کے متعلق اس کی جماعت کے نقطۂ نظر اور رویے کے ساتھ دیوبند کے مرکز سعادت وانقلاب میں مولانا سندھی کے خلاف بعض اہل اغراض کی تحریک مخالفت، ہنگامہ کفر واسلام اور دارالافتاء کے کارنامے کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس واقعے کو پوری تفصیل کے ساتھ پہلی مرتبہ موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ اسی چیز نے معارف کو یہ جرأت دلائی تھی کہ وہ مولانا سندھی کے خلاف یہ تنقید چھاپے۔

ندوۃ المصنفین اور برہان دہلی

دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر نے ہر دور اور علم وعمل کے ہر دائرے میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اور ان تمام دائروں میں اپنے نقوش فکر وعمل دنیا کے لئے رہنما چھوڑے ہیں لیکن دیوبند کی منظم علمی دعوت اور تحریک کا نام "دارالمصنفین" دہلی ہے۔ اس ادارے کے قیام اور تحریک کو منظم کرنے میں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ساتھ مولانا سعید احمد اکبرآبادی روز اول سے شریک تھے۔ ندوۃ المصنفین ۱۹۳۸ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کے ذریعے تصنیف وتالیف اور علم وتحقیق کی دعوت

کو عام کرنے اور تحریک کو آگے بڑھانے میں مولانا اکبر آبادی کا حصہ نہایت وقیع ہے۔

ندوۃ المصنفین کے قیام کے ساتھ ہی اس کا علمی ترجمان برہان بھی جاری ہوگیا تھا۔ مولانا اکبر آبادی اسی وقت سے اس کے مدیر تھے۔ اور اپنے انتقال تک وہ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ "نظرات" کے عنوان سے وہ برہان میں ہر ماہ وقت کے کسی اہم قومی، ملی، علمی، تہذیبی، ثقافتی مسئلے یا کسی نامور شخصیت کے انتقال پر اظہار خیال کرتے تھے۔ مولانا مرحوم کے قلم سے یہ نظرات ہزارہا صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں جن سے مولانا کے مطالعہ ومشاہدہ، نظر وبصیرت، باریک بینی وژرف نگاہی۔ تبحر علمی و وسعت مطالعہ اور فکر و انداز کے ترجمان اور ان کے اسلوب تحریر کے شاہ کار ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے برہان میں علمی، تعلیمی، تہذیبی، تاریخی موضوعات وعلمی وتاریخی شخصیات پر سینکڑوں مقالے لکھے ہیں۔ اور ملک وبیرون ملک کے دسیوں سفر کے دلچسپ حالات تالیف وشائع فرمائے ہیں۔ ان سب کو مختلف موضوعات کے ذیل میں متعدد مجموعوں میں مرتب کرکے شائع کردینے کی ضرورت ہے۔ یہ نہ صرف مولانا اکبر آبادی سے عقیدت ومحبت کا ثبوت ہوگا بلکہ یہ بہت بڑی علمی خدمت بھی ہوگی۔

لیکن میرے نزدیک علم وتاریخ کے موضوعات پر مولانا اکبر آبادی کے تحقیقی مقالات سے ان کے نظرات گو زیادہ اہم ہیں علمی وتاریخی موضوعات اور شخصیات پر کوئی بھی لکھ سکتا ہے۔ اور خواہ ہم پسند مولانا ہی کی تحریرات وتحقیقات کو کریں۔ لیکن علمی مطالعے کی بنیادی ضرورت تو کسی کی تحریر سے بھی پوری ہوسکتی ہے لیکن تاریخ ہند پاکستان کے اس ہنگامہ خیز دور میں جو ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۷ء تک پھیلا ہوا ہے اور اس دور کے افکار وحوادث نے مسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ پیدا کردیا تھا جواب تک ختم نہیں ہوا۔ ان پر قومی وملی تاریخ کے اہم ترین پہلوؤں پر مختلف تحریکوں، حادثوں، واقعوں اور تعلیمی، ثقافتی، سیاسی مسائل وانظار پر مولانا نے اپنے ذوق اور اپنے فکر وانداز کے مطابق جو کچھ تالیف فرمادیا اسے کسی اور اہل علم اور صاحب قلم کی تحریر میں کیونکر تلاش کیا جاسکتا ہے۔

نظرات کے ایک ایک جملے سے مولانا مرحوم کے ذوق کے تنوع، افکار کی رنگینی اور مختلف مسائل اور علوم وفنون میں ان کے گوناگون خیالات، ذہنی ودماغی خصائص اور علم ونظر کے کمالات کا اظہار ہوتا ہے اور ان کی جامع صفات ہی شخصیت اپنے تمام ذاتی جذبات وامیال اور اپنی پسند وناپسند کے ساتھ یہیں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اور ان کے اسلوب کی دل ربائیوں اور نظر فریبیوں کا واقعی عالم رنگ وفور یہیں آشکارا ہوتا ہے

سیرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی بلند پایہ عالم دین، مفکر، ادیب، مصنف، محقق، مدرس، علمی خطیب اور گوناگون ذہنی ودماغی کمالات اور علم ونظر کی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کے مطالعے کی طرح ان کا قلب بھی بہت وسیع تھا۔ وہ اخلاق وتواضع کا مجسمہ اور رواداری کی مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کے ساتھ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

ڈاکٹر اختر علی صاحب، استاد شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج لاہور

ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب علمی تحقیقی اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے دراصل یہ سید صاحب کا وہ مقالہ ہے جو انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس بمقام کلکتہ منعقدہ ۱۹ دسمبر ۱۹۱۷ء[۱] کو پڑھا اور معارف کے ۱۹۱۸ء کے نو (۹) شماروں میں بالاقساط شائع ہوا[۲] پھر سید صاحب نے پاکستان آنے

---

[۱] سید سلیمان ندویؒ۔ ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں دیباچہ از سید الطاف علی بریلوی صفا

نوٹ۔ اس مقالے کا کچھ حصہ جنوری ۱۹۱۸ء کے معارف کے شمارے میں بعنوان "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" شائع ہوا۔ معارف کے مقالہ کے شروع میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہ "وہ تقریر ہے جو آل انڈیا محمدن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ میں ۲۹ دسمبر (۱۹۱۷ء) کی شب کو کی گئی (معارف جنوری ۱۹۱۸ء صث)

[۲] معارف ۱۹۱۸ء کے جن نو شماروں میں یہ علمی مقالہ شائع ہوا ان کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے

نمبر	عنوان	معارف	صفحات
۱۔	ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں۔	معارف جنوری ۱۹۱۸ء	ص ۸ - ۱۶
۲۔	ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں مسلمانوں کی کوششیں۔	" مئی "	ص ۴ - ۳
۳۔	ایضاً (۲)	" جون "	ص ۶ - ۱۵
۴۔	" (۳)	" جولائی "	ص ۴ - ۱۶
۵۔	" (۴)	" اگست "	ص ۶۰ - ۶۵
۶۔	" (۵) (ہندو فارسی شعرا)	" ستمبر "	ص ۱۱۷ - ۱۲۶
۷۔	ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی مسلمانوں کے عہد میں (۶) ہندو ادبائے فارسی)	" اکتوبر "	ص ۱۷۱ - ۱۸۴
۸۔	مسلمانوں کے عہد حکومت میں ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی (۷) ہندو علما کے علوم عقلیہ)	نومبر "	ص ۲۲۷ - ۲۳۶
۹۔	" " " (۸) طب اور دیگر علوم متفرقہ۔	دسمبر "	ص ۲۸۴ - ۲۹۳

پاکستان آنے کے بعد اس کا مسودہ اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کے حوالہ کیا
اس ادارہ نے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۴ء اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔ کتاب کے آغاز میں جلی عنوانات
کی فہرست نہیں دی گئی۔ تاہم اس کتاب کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت صفحات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب کے شروع میں عالیجناب الحاج میجر شمس الدین محمد صاحب سابق وزیر تعلیم بہاولپور و صدر آل پاکستان
ایجوکیشنل کانفرنس کا جو مقدمہ شامل کیا گیا ہے وہ خوب معلوماتی، تاثراتی اور عالمانہ ہے۔ اسی طرح جناب سید الطاف علی
بریلوی بی اے علیگ سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس و سکریٹری مدیر "العلم" (سہ ماہی) کراچی کا دیباچہ
جو اس کتاب میں شامل ہے اس میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے بہتر سلوک مقالے کی روداد اور اس کی اہمیت پر
روشنی ڈالی گئی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقالہ چونکہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ ۱۹۱۸ء
میں کئی نشستوں میں پڑھا گیا اس لئے بعض مقامات پر علامہ موصوف نے مقالے کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے
کسی نشست میں پڑھے گئے حصے کے آخر یا شروع میں کسی فقرے یا فقرات کا اضافہ کیا ہے۔ مگر کتابی صورت
میں لاتے وقت ان فقروں کو حذف کردیا گیا ہے۔ کتاب میں بعض مقامات پر علامہ موصوف نے صرف دو تین لفظ بدل
کر ہی مقالے کے تسلسل کو قائم رکھا ہے۔ کتاب میں جو معمولی سی تبدیلی علامہ موصوف نے روا رکھی ہے اس کی نشان
دہی ذیل میں کردی گئی ہے۔

۱۔ معارف مئی ۱۹۱۸ء صہ ۳۱ پر آخری سطر "آئندہ نمبر میں اس مضمون کے ہلکے پھلکے خاکہ میں کسی قدر رنگ آمیزی کرنا ہے" کو مقالے سے خارج کر دیا گیا ہے۔

۲۔ معارف جون ۱۹۱۸ء صہ ۶ پر "گذشتہ نمبر میں" کی بجائے کتاب میں صہ ۳۴ پر "صفحات ماسبق" لگایا گیا ہے۔

۳۔ معارف جولائی ۱۹۱۸ء میں مقالے کی قسط کا آغاز "آج کی بزم علمی کا افتتاح ایک فرنیح مورخ کی تقریر سے ہوتا ہے" کی بجائے کتاب میں صہ ۵۹ پر آغاز "اب ایک فرنیح مورخ کی تقریر کا اقتباس ملاحظہ کیجئے" سے ہوتا ہے۔

۴۔ معارف اگست ۱۹۱۸ء صہ ۶ پر مقالے کی قسط کا آغاز "گذشتہ نمبر میں ان ۲۷ ہندو فضلاء کے نام گنائے گئے ہیں" کی بجائے کتاب میں صہ ۸۴ پر آغاز "اوپر کی سطروں میں ان ۲۷ ہندو فضلاء کے نام گنائے گئے ہیں" سے ہوتا ہے۔

۵۔ معارف ستمبر ۱۹۱۸ء صہ ۱۱۷ پر مقالے کی قسط کے شروع میں "ہندو فارسی شعراء" کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔ مگر کتاب میں یہی عنوان صہ ۹۵ تا ۱۱۳ ہے۔ کتاب میں بہت سے شاعروں کے نام دئے گئے ہیں ایک ایک حرف کے تحت بہت سے نام آئے ہیں۔ علامہ سید صاحب نے کتاب کے ان صفحات میں ایک ہی حرف سے شروع ہونے والے تمام ناموں سے پہلے وہی حرف ابجد لکھ دیا ہے جب کہ معارف میں چھپنے والے اس حصے میں یہ التزام نہیں کیا گیا تھا۔ کتاب میں ان حروف ابجد کے تحت کوئی بھی نام بڑی آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ معارف نومبر ۱۹۱۸ء صہ ۳۳۶ کی آخری سطر "آئندہ ہم بعض ہندو طبیبوں کا حال لکھیں گے" کتاب سے خارج کر دی گئی ہے۔

۷۔ معارف دسمبر ۱۹۱۸ء صہ ۴۲۸ کی یہ عبارت "یہ سلسلہ اس قدر پھیلا کہ ارباب بزم گو زبان سے تو نہیں کہتے لیکن تیور سے پہچان لیتا ہوں کہ وہ گھبرا اٹھے ہوں گے لیکن بات یہ ہے ع

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اب اس کے بعد تکلیف نہ دی جائے گی" کتاب سے بالکل حذف کر دی گئی ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی ایک بلند پایہ مذہبی عالم، تاریخ دان لسانیات کے ماہر اور اعلیٰ پایہ کے محقق تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ تعلیمی مسائل اور ان کو بہتر بنانے کے راستے تلاش کر کے لوگوں تک پہنچانے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے ان کا یہ تحقیقی مقالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ برصغیر پر ایک طویل عرصہ مسلمان حکمرانوں نے حکومت کی ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی تہذیبیں سرے سے مختلف تھیں ہندو اس تہذیب، علوم و فنون، تمدن اور معاشرت سے بالکل ناآشنا تھے جو مسلمانوں کا زیور تھیں۔ مسلمانوں کی وجہ سے ہندوستان میں تمدن و معاشرت، فکر و فہم اور علوم و فنون میں ایسا عظیم

انقلاب برپا ہوا۔ کہ ہندو قوم جو کم از کم اہمیت کے فن سے بھی ناواقف تھی۔ وہ آداب معاشرت اور علوم و فنون کے حصول میں مسلمانوں کی فیاضی، فراخ دلی اور بے تعصبی کی وجہ سے ان کے دوش بدوش چلنے لگی۔ مسلمانوں کے حسن سلوک، مساوات، زخافت، اور حسن خلوص کی بدولت ہندو ہر میدان میں آگے بڑھے۔ مسلمانوں نے ہندوؤں میں علم کی تحصیل اور فنون کی ترقی کا ذوق پیدا کیا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سربراہی اور سرپرستی میں علوم و فنون میں کمال اور عروج حاصل کیا۔ بقول مولانا سید سلیمان ندوی ؒ:

"مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندو قوم وہ قوم تھی جو ہر غیر قوم سے اس قدر شدید نفرت رکھتی تھی اور اس کو ملیچھ ناپاک اور نجس ہستی تصور کرتی تھی۔ کیا اس وقت کوئی خیال کر سکتا تھا کہ کسی زمانے میں ہندو قوم بھی اس قدر روادار اور وسیع الخیال ہو جائے گی کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ مل جل کر کام کرے گی۔ اس کی زبان سیکھے گی۔ اس کے علوم و فنون پڑھے گی۔ اس کے تمدن و معاشرت کو اختیار کرے گی۔ اور اس کے ساتھ شاگردی اور استادی کا رشتہ قائم کرے گی۔ لیکن سو دو سو برس ہی کے اندر ان کے خیالات میں بڑا تغیر آگیا اور اب وہ مسلمان سلاطین کی نوکریاں کرنے لگے۔ اور درباروں میں مسلمان ارباب کمال کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے۔ یہی ابتدائی بے تعصبی ہندوؤں کی موجودہ تعلیمی ترقی کا زینہ ہے۔"[1]

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اس کتاب ("ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں") میں تاریخی اسناد اور حوالوں کے ذریعے ثابت کر کے جامع اور مختصر انداز میں مسلمانوں کے زمانے میں ہندوؤں کی علمی، تعلیمی اور علوم و فنون کی ترقی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کر کے اس حقیقت کی بدرجہ احسن وضاحت کر دی ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا ہندوؤں پر کتنا گہرا اثر رہا ہے۔

سید صاحب نے مسلمانوں کے عہد حکومت میں ہندوؤں کی تعلیم و ترقی اور نصاب تعلیم کی تجدید و ترویج میں مسلمان علماء کی خدمات کا ذکر یوں کرتے ہیں:-

"مسلمانوں کا ہندوؤں پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے تعلیمی علوم و فنون میں وسعت پیدا کی۔ قدیم ہندوستان کے شیشہ و قار کو صدمہ پہنچائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد سے پہلے ہندوستان میں جن علوم کی تعلیم رائج تھی ان کی فہرست نہایت مختصر تھی۔ نصاب تاریخ میں حکمت، اقلیدس، ہیئت، طب شاعری، موسیقی وغیرہ علوم ہندوستان میں پہلے سے موجود تھے۔ لیکن ان کی تعلیم اوّلاً تو مخصوص لوگوں کو ہوتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان علوم سے متعلق دنیا کی دوسری قوموں کی جو تحقیقات تھیں اس سے یہاں سرتاپا ناواقفیت تھی۔ مسلمان علماء نے

---

[1] سید سلیمان ندوی، ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں ۱۹۵۸، کراچی ص ۲۷، ۲۸

ان کے نصاب تعلیم کو ان فروگذاشتوں سے پاک کیا"[1]

کتاب کے آغاز میں علامہ سید سلیمان ندوی نے اہل ہند اور مسلمانوں کے علمی تعلقات پر بھی مختصر طور پر روشنی ڈالی ہے اس موضوع پر انہوں نے اپنی مشہور تصنیف "عرب و ہند کے تعلقات" میں زیادہ مفصل اور وضاحت سے تحریر کیا ہے۔

اس کتاب کے ۲۰ صفحات میں علامہ سید سلیمان ندوی نے ان ۴۷ ہندو مورخین کا تذکرہ بھی کیا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے تاریخی ذوق سے تاریخ کے فن میں مہارت حاصل کی اور اس میدان میں اپنا نام روشن کیا۔ انہوں نے ہندو مورخین کی یہ فہرست صرف حیدر آباد، یا لکی پور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور لندن کے کتب خانوں کی فہرستوں سے حاصل کی ہے[2] اس کے علاوہ اگر یورپ اور ہندوستان کے تمام کتب خانوں کا جائزہ لیا جائے تو تاریخی میدان میں ہندوؤں کا ایک گراں قیمت سرمایہ حاصل ہو سکتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے جہاں اس کتاب میں اس زمانے کا ذکر کیا ہے جس میں ہندو عربی اور فارسی میں خوب مہارت رکھتے تھے وہاں اس دور کا بھی ذکر کیا ہے جب مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو گیا اور انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جمانے لگے۔ انگریزوں کے اس دور میں جستہ جستہ مسلمانوں کے ہندوؤں پر گہرے اثرات نظر آ جاتے ہیں جو ابھی دھندلے نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً راجہ رام موہن رائے جنہوں نے عربی کی ابتدائی تعلیم پٹنہ میں حاصل کی۔ اپنی جدید تحریک برہمو سماج کی وجہ سے ہندوؤں میں بدنام ہو گئے۔ ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ہندو مذہب سے اس لئے بیزار ہیں کہ ان کا اسلامی علوم و فنون کے ساتھ وہ لگاؤ تھا جو ساری عمر ان کی دینی زندگی کا ایک اہم جزو بنا رہا۔ اسی طرح بنگال کے مصلح اعظم راجہ کیشب چندر سین نے بھی پٹنہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی وہ بھی علوم اسلامیہ میں گہری دسترس رکھتے تھے۔ سر رابندر ناتھ ٹیگور کے والد فارسی دان اور ایک صوفی منش انسان تھے وہ مولانا روم اور دوسرے صوفی شعراء کے کلام کا ضرور مطالعہ کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہندوؤں کی تعلیم و تربیت اور تہذیب پر جتنا گہرا اثر صوفیائے کرام کا ہوا ہے اتنا مسلمانوں کے کسی اور طبقے کا نہیں ہوا۔ بھگتی تحریک کے علمبرداروں پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ سید سلیمان ندوی نے اس کتاب میں اخلاق و تصوف کے باب میں کچھ ایسے ہندو صوفیوں کی نشاندہی کی ہے جو بھگتی تحریک کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

مسلمان حکمرانوں کے عہد میں فارسی سرکاری زبان تھی حکومت کے عہدے حاصل کرنے کے لئے اس زبان کا جاننا

---

[1] سید سلیمان ندوی ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں۔ کراچی ۱۹۵۸ء ص ۲۹، ۳۰ [2] ایضاً ص ۲۰، [3] ایضاً ص ۴۷

بہت ضروری تھا۔ ہندوؤں نے فارسی زبان میں خوب مہارت حاصل کی اور مسلمان حکمرانوں کا قرب حاصل کیا یہی نہیں بلکہ ہندوؤں نے ذوق شوق کے ساتھ فارسی زبان سے لگاؤ پیدا کیا۔ اور بہت سے اسلامی علوم وفنون کا سنسکرت میں بھی ترجمہ کیا اسی طرح مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی متبرک کتابوں کے فارسی میں ترجمے کئے۔ بنگال میں ایک ہندو گریش چندر گھوش نامی نے قرآن مجید، تذکرۃ الانبیا، اور مشکوٰۃ کا بنگالی میں ترجمہ کیا۔

ہندوؤں کی تعلیم وتہذیب اور علوم وفنون میں دوسری اقوام کی برابری اور ہمسری کرنے کی یہی وجوہات تھیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی اس کتاب میں اور بہت سے موضوعات کو بھی ضبطِ تحریر میں لائے ہیں جن سے ہندوؤں کی تعلیم وترقی مسلمانوں کے عہد میں پروان چڑھنے اور فروغ حاصل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ موضوعات تاریخ ہندو فارسی شعراء، ہندو ادبائے فارسی، ہندو لغت نویسی، مترجمین، ہندو علمائے علوم عقلیہ، انتظاماتِ مالی، نجوم، طب، موسیقی اور مصوری ہیں۔

الغرض علامہ سید سلیمان ندوی کی یہ تصنیف مسلمان نوجوانوں کے لئے ایک پیغام رشد وہدایت اور محققین کی نئی نسل کے لئے ایک دعوتِ مبارزت ہے۔

بقیہ: مولانا سعید احمد اکبر آبادی

میں اخلاص اور تقویٰ کی خوبیوں سے نوازا تھا۔

مسلک وہ اگرچہ دیوبند کے نظامِ فکر سے تعلق رکھتے تھے لیکن مذہبی تقشف کی طرح گروہی تعصبات سے بلند اور پاک تھے۔ سیاسیات میں وہ دیوبند کی انقلابی جماعت کے پیرو تھے اور ہمیشہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے شریک وسہیم رہے۔ لیکن ان کا ذوق سیاسی وعملی سے زیادہ علمی وفکری تھا۔

انتقال افسوس کہ دارالعلوم دیوبند کا یہ نامور فرزند جو اپنے اسلاف کرام کا علم وفضل، اخلاق وسیرت اور افکار وعقائد میں سچا جانشین تھا اور آخر دم تک اس کی علمی ودینی روایات کو زندہ رکھنے اور آگے بڑھانے میں ہمہ تن مصروف رہا تھا۔ ۲۴ مئی ۱۹۸۵ء کو کراچی میں جان ہار گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پروفیسر حافظ سید خالد محمود ترمذی

اسلامی تاریخ کا ایک گم شدہ ورق

اسلامی شخصیات

احمد بن ہارون الرشید

مشہور عالم عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے یوں تو بارہ لڑکے تھے جن میں چار[1] بہت زیادہ مشہور ہیں۔ امین الرشید۔ عبداللہ المامون الرشید۔ قاسم (مؤتمن) محمد (معتصم) ان میں سے صرف خلیفہ الامین الرشید نجیب الطرفین تھا جو مشہور ملکہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور کے بطن سے تھا۔ باقی سب کنیزوں کی اولاد تھے عبداللہ المامون الرشید مراجل نامی کنیز کے بطن سے تھا تیسرا بھائی ابو اسحاق المعتصم جو مامون الرشید کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ ایک کنیز مارہ کے بطن سے تھا۔ تاریخوں میں ان چاروں کا ذکر جلی حروف میں کیا گیا ہے۔ ہارون الرشید کی طرح امین اور مامون الرشید کے حالات زندگی پر تو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مامون کے بچپن کا ایک واقعہ تو نصابی کتب میں بھی شامل ہے۔ جو کچھ یوں ہے کہ:

مشہور نحوی کسائی مامون کو قرآن پڑھانے پر مامور تھا۔ اس کے پڑھانے کا انداز یہ تھا کہ وہ مامون کو پڑھنے کے لئے کہتا اور خود سر جھکا کر بیٹھا سنا کرتا۔ جہاں کہیں مامون غلطی کرتا تو وہ سر اٹھا کر مامون کو دیکھتا۔ مامون فوراً اشارہ سمجھ جاتا اور غلطی کو درست کر لیتا۔ ایک روز سورہ صف کا سبق تھا جب مامون اس آیت پر پہنچا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔"

تو کسائی نے سر اٹھا کر دیکھا مامون نے اس خیال سے عبارت دوبارہ پڑھی کہ شاید اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ مگر دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب کسائی چلا گیا تو مامون اپنے والد ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور نے کسائی کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا؛ ہارون نے کہا ہاں۔ اس نے قاریوں کے لئے وظیفہ مقرر کرنے درخواست کی تھی جسے ہم نے منظور کر لیا تھا۔ کیا اس نے تم سے اس کا کچھ تذکرہ کیا تھا؟ مامون نے نفی میں جواب دیا۔ ہارون نے پوچھا پھر تمہیں کیسے علم ہوا؟ مامون

[1] اسی لئے ایک پاکستانی مصنف نے جن کی کتاب تاریخ خیبر سے کالج کے نصاب میں شامل ہے ہارون الرشید کی نرینہ اولاد چار بتائی ہے امین ۔ مامون۔ قاسم اور معتصم۔

نے تمام ماجرا کہہ سنایا اور کہا کہ خاص اس آیت کریمہ پر کسائی کا دفعتہً چونکنا بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہارون اپنے کم سن (پانچ برس کی عمر تھی) بیٹے کی ذہانت پر نہایت متعجب بھی ہوا۔

ان بارہ لڑکوں میں سے اکثر ہارون کی وفات کے وقت کم سن تھے کچھ اس کی زندگی میں فوت ہو گئے مثلاً احمد السبتی جو ہارون کی ایک کنیز عرابہ کے بطن سے تھا جس نے شاہزادگی کی پُر راحت زندگی پر ایک مزدور کی پُر مشقت زندگی کو ترجیح دی۔ وہ چاہتا تو امین اور مامون کی طرح قصرِ خلافت میں پر تعیش زندگی گذار سکتا تھا۔ لیکن اس نے ابراہیم ابن ادہم کی طرح تاج و تخت کو خیرباد کہا اور اورنگ زیب کی طرح بادشاہی میں فقیری کی۔ وہ دوسروں کی کیفیتوں سے خراج وصول کرنے کو گدائی خیال کرتا تھا اور اپنے ہاتھ کی کمائی پر یقین رکھتا تھا۔ وہ شاہزادہ ہوتے ہوئے راج مزدور کا کام کرتا تھا۔ وہ قصرِ خلافت سے دور بصرہ میں محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا اس کا کل اثاثہ ایک "کرنی" جس سے اینٹوں میں گارا لگایا جاتا ہے۔ اور ایک "تسلہ" تھا جس میں گارا بھر کر لایا جاتا ہے۔ وہ یہ دونوں اوزار لے کر ہفتے کے روز بصرہ کے اس بازار میں بیٹھ جاتا تھا۔ جہاں راج مزدور مزدوری کی تلاش میں جمع ہوتے تھے۔ اس کی مزدوری یعنی دہاڑی ایک درہم اور ایک دانق تھا (ایک درہم میں چھ دانق ہوتے تھے) اس کا معمول تھا کہ ہفتے میں ایک دن یعنی ہفتے کو کام کرتا تھا۔ اور تمام ہفتہ اسی پر گذارا کرتا تھا۔ اسی لئے احمد السبتی کے نام سے مشہور ہے (سبت عربی میں ہفتے کے دن کو کہتے ہیں) باقی ایام اور وقت وہ عبادت و ریاضت میں گذارتا۔ نہایت متقی و مرتاض شخص تھا اپنے کھانے پینے پر روزانہ ایک دانق صرف کیا کرتا، موٹا جھوٹا پہنتا اور خشک روٹی اس کی خوراک تھی۔ گھر میں نہ فرش نہ فروش بلکہ زمین اس کا بچھونا تھی اور کھلا آسمان اس کا لحاف۔ انواع و اقسام کے اشتہا انگیز اور لذیذ کھانوں نیز خدم و حشم کی آرام و راحت والی زندگی پہ مسرت و تنگ دستی کی زندگی اسے عزیز تھی۔

اگر وہ کسی فقیر یا غریب کے گھر جنم لیتا تو ظاہر ہے یہی تنگ دستی اور عسرت اس کا مقدر ہوتے لیکن اس نے تو قصرِ شاہی میں آنکھ کھولی تھی وہ محلوں کے ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا۔ جہاں خدم و حشم اس کے ایک اشارہ ابرو کے منتظر کرم ہوتے تھے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ باپ خلیفہ وقت ہے اور بیٹا بوریا نشین۔

احمد السبتی قرآن مجید کا حافظ تھا۔ اور دینی علوم سے بہرہ ور تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ یہ دنیا جائے قرار نہیں ہے۔ بلکہ آخرت کا گھر بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ نیز انسان کو ہر درہم و دانق کا حساب دینا ہو گا بلکہ ہر نفس کا حساب ہو گا۔ کوئی دم غافل تو نہیں گذرا۔ یک دم غافل سو دم کافر۔ اسے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہو گا۔ یہی سوچ کر اس نے حور و قصور کو تج دیا تھا اور اپنے خالق حقیقی سے لو لگالی تھی صرف قوت لایموت کے حصول کے لئے "کرنی" اور "تسلے" کا سہارا لیا اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے روکھی سوکھی

کھا سکے۔ ایک نانِ شعیر نمک کے ساتھ اس کی خوراک تھی۔ اس نے ساری زندگی نیا کپڑا زیبِ تن نہیں کیا۔ وہ اس کی قیمت کہاں سے لاتا؟ تمام شب و روز تو اس کے عبادتِ الٰہی میں بسر ہوتے تھے صوف کا ایک پرانا بوسیدہ جبہ اس کا لباس فاخرہ تھا۔

اہالیانِ بصرہ میں سے ایک عبداللہ بن الفرج راوی ہے کہ:۔

ایک روز مجھے اپنے گھر کی مرمت کے لئے ایک مزدور کی ضرورت پڑی۔ تو میں بازار گیا اور لوگوں سے اپنی حاجت بیان کی۔ انہوں نے ایک جوانِ رعنا کی طرف اشارہ کیا جس کے ایک ہاتھ میں "کرنی" تھی اور دوسرے ہاتھ میں "تسلہ"۔ میں اس کے پاس گیا اور پوچھا مزدوری کرو گے۔ اس نے کہا:

"ہاں کروں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔" میں نے شرط پوچھی۔ تو اس نے کہا۔ "نماز کے وقت مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی مہلت دو گے۔ اور ایک درہم و دانق مزدوری ہو گی۔"

میں نے کہا۔ مجھے منظور ہے۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا۔ اس نے جاتے ہی بغیر ستائے کام شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دورانِ کام مجھ سے کلام بھی گوارا نہ تھا۔ وہ بڑی سرعت سے کام کر رہا تھا۔ کہ ظہر کی اذان ہو گئی۔ تو اس نے کہا:۔

"اے عبداللہ! ظہر کی اذان ہو گئی ہے۔" میں نے کہا، "شوق سے نماز ادا کیجئے۔"

اس نے کام چھوڑ دیا اور نماز پڑھنے چلا گیا۔ نماز پڑھ کر آیا تو پھر کام میں مشغول ہو گیا۔ دن ڈھلے عصر تک خوب کام کیا۔ عصر کی اذان ہوئی تو اس نے پھر رخصت طلب کی۔ نماز کے بعد پھر کام شروع کر دیا۔ جب دن ختم ہوا تو میرا تمام مرمت کا کام بھی ختم ہو چکا تھا۔ دو دن کا کام اس مردِ درویش نے ایک دن میں کر دیا تھا مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے خوشی سے معاوضہ زیادہ دینا چاہا لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے زیادہ اصرار کیا تو وہ طے شدہ مزدوری بھی چھوڑ کر چل دیا۔ میں اس کے پیچھے بھاگا کہ اچھا اپنی طے شدہ مزدوری تو لیتے جاؤ۔ وہ اس نے لے لی اور گھر کی راہ لی۔

کچھ عرصے بعد مجھے پھر اس کی ضرورت پڑی میں ہفتے کے روز بازار گیا تو اسے نہ پا کر میں نے اس کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے۔ میں گھر کا پتہ پوچھ کر اس کے گھر گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر دراز ہے۔ اینٹ کا سرہانہ اس کے سر کے نیچے ہے۔ میں نے پوچھا کسی چیز کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں کہنے لگا میرا وقت قریب ہے اب مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ ہاں ایک کام کرنا جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دے کر اسی جبے میں کفنا دینا۔ جبے کی جیب میں یاقوت کی ایک انگوٹھی ہے۔ وہ نکال کر خلیفہ ہارون الرشید کو پہنچا دینا۔"

یہ کہا اور اس مردِ درویش کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ مکان مشک و عنبر کی خوشبو سے معطر ہو گیا جیسے جنّت کے فرشتے اس کی پاکیزہ روح کو لینے آئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اسے فقراء کے قبرستان میں دفن کر دیا۔

ایک دن مجھے خبر ملی کہ ہارون الرشید دورے پر آ رہا ہے۔ میں انگوٹھی لے کر اس راستے پر جا کھڑا ہوا۔ جس سے ہارون کی سواری گذرنا تھی۔ جب سواری قریب آئی تو میں نے پکار کر کہا:۔

"اے امیر المومنین! میرے پاس آپ کے لئے ایک امانت ہے"

تو اس نے اپنے پاسبان (محافظ) کو کہا کہ جب سب ملاقاتی چلے جائیں تو مجھے اس کے حضور پیش کرے جب سب درباری چلے گئے تو اس نے مجھے طلب کیا اور پوچھا کیسی امانت ہے؟ میں نے انگوٹھی خدمت میں پیش کی۔ جیسے ہی اس کی نظر انگوٹھی پر پڑی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے پوچھا۔

"یہ انگوٹھی تمہیں کہاں سے ملی؟" تو میں نے سارا ماجرا سنایا۔ جونہی اس نے تمام ماجرا سنا اس کی حالت تو غیر ہو گئی وہ فرش پر گر پڑا اور سر کو دیواروں سے ٹکرانے لگا اور آہ و بکا کرنے لگا۔ اسی دوران ہارون نے مجھے بتایا کہ" وہ میرا بیٹا تھا جب میں تختِ خلافت پر بیٹھا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اسے یہ انگوٹھی دی تھی کہ جب ضرورت پڑے تو اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرے۔ وہ مجھے ہمیشہ نصیحت کرتا تھا کہ میں کاروبارِ سلطنت میں اتنا منہمک نہ ہو جاؤں کہ خدا کو بھول جاؤں۔ ہائے افسوس! میں خلیفہ ہوتے ہوئے اس کی کوئی مدد نہ کر سکا۔ اس نے میرے خزانے سے ایک درہم لینا بھی گوارا نہ کیا۔ بلکہ امارت پر فقر کو ترجیح دی اور مزدور بن کر روزی کمائی"

جب اس کا رنج و غم کچھ کم ہوا تو اس نے مجھے کہا کہ میں اس کے ساتھ احمد کی قبر پر چلوں۔ جب اس کی قبر پر پہنچا تو وہ پھر رونے لگا۔ اور حزن و یاس میں نہ معلوم کیا کیا کہتا جاتا تھا جب وہ کافی دیر رو چکا اور اس کا غم ہلکا ہو گیا تو میں نے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

امیر المومنین! صبر کیجئے اللہ کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں۔ اللہ کی مرضی یہی تھی۔ تو وہ سر جھکا کر کہنے لگا۔" میں ہی وہ شخص ہوں جو بغداد پر امنڈنے والے بادلوں سے مخاطب ہو کر کہا کرتا تھا جس جگہ بھی تم جا کر برسو اس زمین کا خراج میرے ہی خزانے میں آئیگا۔ خدا کی قسم میں اپنے آپ سے سخت شرمندہ ہوں کہ اتنے خزانے کا مالک ہونے کے باوجود میرا بیٹا ایک درہم اور ایک دانق کے عوض محنت مزدوری کرتا تھا وہ اپنے رب سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے ہاتھ صاف ہونگے دنیا سے اس نے کوئی حصہ نہ لیا اسے کوئی حساب نہ دینا ہوگا وہ سرخرو ہو گا اور اس کے برعکس میرا حساب بڑا لمبا ہو گا ان تمام خزانوں کے ایک ایک درہم کا حساب مجھے دینا ہو گا احمد نے امیر بننے پر اجیر بننے کو ترجیح دی وہ ضرور ابرار اور صدیقین کے گروہ میں شامل ہو گا"۔۔۔ عبداللہ بن الفرج کی روایت ہے کہ ہارون الرشید وقتاً فوقتاً اسے ساتھ لیکر احمد کی قبر پر حاضر ہوتا آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے اور دل و دماغ پر رنج و الم کا قبضہ ہوتا اور اس وقت وہ اپنی ساری جلالت و حشمت اور عظمتِ شاہی کو بھول کر صرف ایک حرماں نصیب باپ نظر آتا۔

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

فقرِ غیور و سراپائے جمال

امیرِ جمعیت مولانا سید گل بادشاہ صاحبؒ قدس سرہٗ کی یاد میں

اے شہنشاہِ خودی اے حق پرستوں کے امام — تیری خودداری حمیت تیری غیرت کو سلام

تیری ہر للکار تھی باطل پہ اک برقِ تپاں — ظالم و جابر حکمراں تجھ سے تھا خائف مدام

بستی بستی شہر و قریہ تیری تقریروں کی دھوم — ہر گلی میں تُو نے پہنچایا جمعیت کا پیام

گونجتی ہے اب کانوں میں حجازی لَے تری — اللہ اللہ ذوقِ قرآں واہ وہ شیریں کلام

مردِ حر تھا بات حق ہر حال میں کہتا رہا — بر سرِ دار و رسن اور بر سرِ بالائے بام

حریت اخلاص و ایثار کی تھے اک زندہ تصویر — آفریں صد آفریں وہ فاقہ مستی کا خرام

فکرِ شیخ الہند کا وہ کیوں نہ ہوگا پاسدار — دیوبند میں جو رہا سید حسینی کا غلام

بارہا جھیلے مصائب سختیاں زنداں کی — راہِ حق میں صرف کر دی زندگی کی صبح و شام

ہائے وہ طرزِ تکلم آہ وہ رنگِ بیان — ہائے وہ پر کیف و پر تاثیر ادائے ابتسام

اب کہاں ہے وہ رُخِ انور سراپائے جمال — تشنہ کاموں کے لئے تھے ساقیٔ بادہ بجام

از غم و آلامِ دنیا شکوہ سنج ہوتا ہے نہیں — جس کے دل میں بس گئی ہو الفتِ خیر الانام

روح پہ اس کی خدایا دم بدم ہو رحمتیں
فانیؔ بیچارہ ہو خلدِ بریں اس کا مقام

کارمینا
نظامِ ہضم کو بیدار کرتی ہے
معدے اور آنتوں کے افعال کو
منظم و درست کرتی ہے۔
Carmina
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے۔
آوازِ اخلاق
بہترین انسان وہ ہے جس کا وجود انسان کے لیے مفید ترین ہو۔
Adarts CAR-2/84

REGD. NO. P-90